نظامِ عالم
اور
امت مسلمہ

محمد افضل احمد

افضل پبلیکیشنز
H-35/A, Abul Fazl Enclave-1
Jamia Nagar, New Delhi-110025

© جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ

نام کتاب : نظامِ عالم اور امتِ مسلمہ
مؤلف : محمد افضل احمد
صفحات : 130
اشاعت : 2011
قیمت : Rs. 80/-

Nizam-e-Aalam Aur
Ummat-e-Muslima
By
Mohammad Afzal Ahmad

ناشر
AFZAL PUBLICATIONS
H-35/A, Abul Fazl Enclave-1
Jamia Nagar, New Delhi-110025

بسم اللہ الرحمن الرحیم

هُوَ الَّذِیٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ
لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ وَلَوْ کَرِهَ الْمُشْرِکُوْنَ o

(التوبة: ۳۳)

وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور دین حق
کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے تمام ادیان اور مذاہب پر غالب
کردے خواہ مشرکوں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔

فہرست

☆ پیش لفظ
☆ باب—١: اصول وعقائد
☆ باب—٢: عبادت واطاعت
☆ باب—٣: صفحۂ ہستی سے مٹ جانے والی معذّب قومیں
☆ باب— ٤: بنی اسرائیل
☆ باب —٥: نبی آخرالزماں حضرت محمدؐ اور امت مسلمہ
☆ باب—٦: مسلمانوں کی خونچکاں تاریخ
☆ باب—٧: مختلف فرقہ جات
☆ باب—٨: امت مسلمہ کا خون ارزاں
☆ باب—٩: یہود
☆ باب—١٠: پس چہ باید کرد
☆ باب—١١: نصرت خداوندی کی شرطیں

پیش لفظ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ.

دو ہی طرح کے نظامِ زندگی ممکن ہیں۔ اس لیے از آدم تا ایں دم دنیا میں دو ہی قسم کے نظام --- نظام حق اور نظام باطل --- پائے جاتے ہیں۔ یہ دونوں نظام اپنے منبع و بنیاد، مزاج وطریق اور مقاصد ونصب العین ہر لحاظ سے ایک دوسرے کے مخالف اور متبائن ہیں۔ اس لیے کہ ایک حق ہے دوسرا باطل، ایک مبنی بر فطرت ہے تو دوسرا غیر فطری، ایک پاک اور طیب ہے تو دوسرا ناپاک اور نجس اور ایک کو اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت اور پشت پناہی حاصل ہے تو دوسرا شیطانی وساوس وضلالت اور دجل وفریب کی آماج گاہ ہے۔ لہٰذا دونوں میں مفاہمت واشتراک کا ہونا تو کجا، ایک کا وجود اس وقت تک قائم ہی نہیں ہوسکتا جب تک ایک دوسرے کو بیخ و بن سے اکھاڑ نہ پھینکے۔

نظام حق من جانب اللہ ہے۔ اس لیے اس نظام کے قیام واستحکام کی کوششوں میں اللہ تعالیٰ کی براہ راست ہدایت ورہنمائی اور تائید ونصرت حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا اس کے زیر اثر خطۂ ارضی پر نیکی و تقویٰ، راحت وسکون، امن وآشتی اور خوش حالی و فارغ البالی کے پھلنے پھولنے کے پورے مواقع حاصل ہوتے ہیں اور لوگوں کے درمیان آپس میں اخلاق واخلاص، عدل وقسط اور شفقت ومحبت کی فضا قائم ہوتی ہے، ایک دوسرے کے لیے ایثار وخدمت کے جذبات پروان چڑھتے ہیں، خیر ونیکی کے حصول میں مسابقت کی کیفیت رونما ہوتی ہے اور برائیوں اور گناہوں کے پنپنے کے راستے بند ہوتے جاتے ہیں، غرض کہ زمین صلاح وفلاح کا ضامن ہوتی چلی جاتی ہے۔

اس کے برخلاف نظام باطل، شیطانوں، اس کے ساتھیوں اور حاشیہ برداروں کا ساختہ پرداختہ ہوتا ہے اور اس میں شیطنت ہی بھری ہوئی ہوتی ہے۔ لہٰذا اس کے زیر تسلط زمین غصب وحق تلفی، لوٹ کھسوٹ، دجل وفریب، فتنہ وفساد، شرارت وخباثت، ظلم ونا انصافی، بغض وحسد، کبر ونخوت، مردم آزاری وانسانیت سوزی اور قتل وغارت گری سے بھر جاتی ہے۔ اور چوں کہ اسے اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف میدان میں لایا جاتا ہے اور اس کی تشکیل وتجسیم کی جاتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کا بھی غیظ وغضب اس پر مسلط ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ پورا عالم انسانیت کراہتا رہتا ہے، بلبلاتا رہتا ہے، لیکن کوئی اس کا پرسانِ حال نہیں ہوتا۔

دیگر اقوامِ عالم تو علم حقیقی سے نابلد ہیں، جس کی بنا پر شیطانی وسوسوں اور ضلالتوں کی شکار ہیں، اس لیے وہ طاغوت اور طاغوتی نظام کے ظلم کی چکیوں کے درمیان پس رہی ہیں۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ دنیا کی وہ قوم جو امت مسلمہ کہلاتی ہے اور حاملِ دین حق ہے، جو اللہ تعالیٰ کو رب حقیقی ماننے کا دعویٰ کرتی ہے، اس کے قادر مطلق، علیم اور حکیم ہونے پر ایمان رکھنے کا اظہار کرتی ہے، اسے منتظم و مدبرِ کائنات کی حیثیت سے تسلیم کرتی ہے، جس کے ہاتھوں میں اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی متاع بے بہا قرآن موجود ہے، وہ قرآن جو انسانی ضروریات کے پیش نظر جملہ آفاق والنفس کی روشن، کامل اور حقیقی تعلیمات کا مخزن ہے اور جس میں زندگی اور اس سے متعلق جملہ امور و معاملات اور مسائل و ضروریات --- انفرادی ہو کہ اجتماعی، خانگی ہو کہ معاشرتی، تعلیمی ہو کہ اخلاقی، اقتصادی ہو کہ تمدنی، انتظامی ہو کہ سیاسی --- کی تعلیمات اور ہدایات نہایت ہی صاف، واضح، یقینی اور کامل صورت میں موجود ہے، جس میں حق و باطل، صحیح و غلط، درست و نادرست، جائز و ناجائز، دوست و دشمن اور نیک و بد کی تفریق کر دینے کے ساتھ ساتھ ان کے عواقب و نتائج اور اثرات و مضمرات سے بھی کما حقہ علم و آگہی بخش دی گئی ہے۔ ان سب کے باوجود اس حامل قرآن امت کا سوادِ اعظم در بدر کی ٹھوکریں کھا رہا ہے، اپنے رحیم و کریم، شفیق و مہربان قادر مطلق اللہ سے منہ موڑ کر غیروں کے آگے اپنے ہاتھ پھیلا رہا ہے، ساری دنیا پر چھا جانے اور ساری دنیا کو علم حقیقی اور ہدایتِ الٰہی سے منور کرنے کے بجائے خود ہی غیروں سے ضلالتیں طلب کر رہا ہے، اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ نظامِ حق و رحمت کے زریں اصولوں اور طریقوں کو پس پشت ڈال کر کافروں، مشرکوں، ملحدوں اور دہریوں کے وضع کردہ بے بنیاد، بے اصل، بے حقیقت، باطل اور خبیث اصولوں اور طریقوں پر فریفتہ ہو رہا ہے، انھیں اپنانے اور ان پر عمل پیرا ہونے میں اور ان پر سبقت لے جانے کی کوششوں میں اپنے سارے اثاثۂ زندگی کو بے دریغ جھونک رہا ہے، شیطانوں، ان کی ذریتوں اور ان کے دوستوں سے گمراہیاں اور گندگیاں لے لے کر اپنے آپ کو آلودہ کر رہا ہے، اپنی اس روشن تاریخ کو ذرا خاطر میں نہیں لاتا جب کہ اسی قرآن کی بدولت اس امت وسط کے افراد محض چند سالوں میں دیکھتے دیکھتے دنیا کے اہم ترین حصوں پر چھا گئے تھے، اس وقت پوری متمدن دنیا حق کا قائل ہو گئی تھی اور باطل سرنگوں ہو کر رہ گیا تھا --- **وَ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُط اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقاً o** (اور اعلان کر دو کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا، باطل تو مٹنے ہی والا ہے) --- اور اب حال یہ ہے کہ امت مسلمہ خود ہی کفر، شرک، الحاد اور دہریت ہر ایک باطل کے سامنے کاسہ لیسی میں مبتلا ہے، حد تو یہ ہے کہ احساسِ زیاں کا شائبہ تک باقی نہیں رہا ہے۔

امت مسلمہ کے ہر ایک فرد کی زندگی کا مقصد اور نصب العین ہی نظامِ حق کے قیام، اس کے استحکام، اس کے تحفظ اور اس کی بقاء کے ساتھ ساتھ نظامِ باطل کا سر توڑنا اور اس کا قلع قمع کرنا ہے۔ لیکن اس امت نے بہت جلد بحیثیت مجموعی اس فرض منصبی کو بھلا دیا۔ نظامِ حق علیٰ حالہ ان کے پاس موجود ہے لیکن اس نے کبھی بادشاہت ہی کو نظام باطل کی شکل میں قبول کیا اور آج اس نظام باطل کی دوسری شکل جمہوریت کی گرویدہ اور پرستار ہے، بلکہ اس پر ہزار جان سے فریفتہ ہو رہی ہے۔ اس امت کے افراد کے ہاتھوں میں شریعت مطہرہ موجود ہے لیکن یہ اصول و قوانین اور ضابطۂ اخلاق و ادب کے مغربی اور مشرقی معیار و اقدار کے دل دادہ ہو رہے ہیں۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ اپنے اس متاع گراں بہا کے کھونے کا انھیں احساس تک نہیں ہے اور نہ ہی کافرانہ و مشرکانہ نظام حیات سے اپنی وابستگی کی ناعاقبت اندیشی ہی کا شعور ہے۔ نتیجہ یہ کہ بس شیطانوں اور ان کے حاشیہ برداروں ہی کو اپنا ملجا و ماویٰ تصور کر کے ان ہی کے آستانے کی قدم بوسی کو سب کچھ سمجھ لیا گیا ہے --- کیا عامی، کیا عالم، کیا دانش ور، کیا رہنما، کیا معلم، کیا مفکر، کیا جماعتیں، کیا تنظیمیں، کیا ادارے اور کیا تعلیم گاہیں --- سبھوں کی ایک ہی حالت اور ایک ہی کیفیت ہے، الا ما شاء اللہ۔ اس طرح جب انھوں نے خود ہی اپنے آپ کو غیروں کے حوالے کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی انھیں غیروں ہی کے حوالے رکھ چھوڑا کہ شاید ان کی آنکھیں کھلیں۔ آج حالت یہ ہے کہ دنیا کے ہر ایک حصے میں مسلمانوں ہی کو مشق ستم بنایا جا رہا ہے، لیکن ان کی آنکھیں ہنوز نہیں کھل رہی ہیں۔

یہ کتاب امت مسلمہ کے ان افراد کو ان کا فرض منصبی یاد دلانے کی ایک ادنیٰ سی کوشش ہے جو اپنی زندگی کا نصب العین اور مقصدِ وحید اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور اس کی خوشنودی کا حصول متعین کر لیں، جو راہِ خدا میں کلمۂ حق کی سربلندی کے لیے اٹھ کھڑے ہونے کا مضبوط عزم و حوصلہ پیدا کر لیں، جن کی یہ آرزو ہو کہ امت مسلمہ دنیا میں پھر سے سربلند ہو اور یہ کہ جو خود اپنے آپ کو، اپنے اہل و عیال کو عذاب دنیا اور آخرت سے بچانے اور اپنی آنے والی نسلوں کی بقا و تحفظ کا سامان مہیا کرنے کا اپنے اندر داعیہ، حوصلہ اور جرأت پیدا کر لیں۔ ایسے لوگوں کا اللہ حامی و ناصر ہو۔ **وَمَا تَوْفِيْقِىْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَيْهِ اُنِيْبُ.**

محمد افضل احمد

نئی دہلی
یکم ربیع الآخر ۱۴۲۸ھ، مطابق ۱۹؍اپریل ۲۰۰۷ء

باب — ۱

اُصول وعقائد

نظامِ حیات انسانی سے متعلق گفتگو سے قبل چند متعلقہ اصول وعقائد کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے:

(۱) تخلیق کائنات

اللہ تعالیٰ اس کائناتِ ارض وسما میں بکھری ہوئی بے شمار مخلوقات کا اور خود انسان کا اور ان تمام چیزوں کا خالق ہے، جن سے انسان استفادہ کرتا اور جن چیزوں کا اپنی ضروریات کی تکمیل کے لیے محتاج ہوتا ہے:

> اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے۔ (الزمر:۶۲)
>
> اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے۔ (الانعام:۷۳)
>
> وہی ہے جس نے چھ دنوں میں آسمانوں اور زمین کو اور ان ساری چیزوں کو پیدا کر کے رکھ دیا جو آسمانوں اور زمین کے درمیان ہیں۔ پھر آپ ہی ''عرش'' پر جلوہ فرما ہوا۔ (الفرقان:۵۹)
>
> تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق کی اور تاریکیاں اور نور پیدا کیے۔ (الانعام:۱)
>
> وہ اللہ ہی ہے جس نے رات اور دن بنائے اور سورج اور چاند کو پیدا کیا۔ سب ایک ایک فلک میں تیر رہے ہیں۔ (الانبیاء:۳۳)
>
> وہی تو ہے جس نے تمھارے لیے زمین کی ساری چیزیں پیدا کیں، پھر آسمان کی طرف توجہ فرمائی اور سات آسمان استوار کیے۔ (البقرۃ:۲۹)
>
> بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا، پھر عرش پر جلوہ فرما ہوا، جو رات کو دن پر ڈھانک دیتا ہے اور پھر دن رات کے پیچھے دوڑا چلا آتا ہے اور جس نے سورج اور چاند اور تارے پیدا فرمائے، اس طرح کہ سب اس کے حکم کے تابع ہیں۔ خبردار رہو اسی کی خلق ہے اور اسی کا امر ہے۔ (الاعراف:۵۴)

یعنی اللہ نے اس پوری کائنات کی تخلیق فرمائی ہے اور وہی اس کا فرماں روا ہے۔ اپنی خلق کو دوسروں کے حوالے نہیں کر دیا ہے، نہ کسی مخلوق کو یہ حق دیا ہے کہ وہ خود مختار ہو کر جو چاہے کرے:

> وہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اور آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کے ذریعے سے تمہاری رزق رسانی کے لیے طرح طرح کے پھل پیدا کیے، جس نے کشتی کو تمھارے لیے مسخر کیا کہ دریاؤں میں اس کے حکم سے چلے، اور دریاؤں کو تمھارے لیے مسخر کیا، اور جس نے سورج اور چاند کو تمھارے لیے مسخر کیا کہ لگاتار چلے جا رہے ہیں اور جس نے رات اور دن کو تمھارے لیے مسخر کیا، اور جس نے وہ سب کچھ تمہیں دیا جو تم نے مانگا۔ اگر تم ان نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے۔ (ابراہیم:۳۲-۳۴)
>
> لوگو! بندگی اختیار کرو اپنے رب کی جو تمہارا اور تم سے قبل جو لوگ ہو گزرے ہیں، ان سب کا خالق ہے۔ تمھارے بچنے کی توقع اسی صورت میں ہو سکتی ہے۔ وہی تو ہے جس نے تمھارے لیے زمین کا فرش بچھایا، آسمان کی چھت بنائی، اوپر سے پانی برسایا، اور اس کے ذریعہ سے ہر طرح کی پیداوار نکال کر تمھارے لیے رزق بہم پہنچایا۔ تو جب تم یہ سب کچھ جانتے ہو تو دوسروں کو اللہ کا مدمقابل نہ ٹھہراؤ۔ (البقرۃ:۲۱-۲۲)
>
> اس نے ہر چیز کو پیدا کیا، پھر اس کی تقدیر مقرر کی۔ (الفرقان:۲)

(۲) مالک ومقتدرِ کائنات

جب اللہ تعالیٰ ہی پوری کائنات کا خالق ہے تو لازماً اسی کو اپنی تمام مخلوقات کا مالک بھی ہونا چاہیے اور جب اس کی تخلیق میں کوئی بھی دوسرا نہ تو شریک وسہیم ہے اور نہ ہی اس کا کوئی ہم سر و مثیل تو لازماً اس کی مالکیت وملوکیت اور اس کے حکم واقتدار میں بھی نہ تو کوئی دوسرا شریک وسہیم ہو سکتا ہے اور نہ ہی کوئی اس کا مثیل وہم سر:

> اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور جو کچھ ان کی تہ میں ہے۔ (طٰہٰ:۶)
>
> وہی آسمانوں اور زمین کی بادشاہی کا مالک ہے اور تمام معاملات فیصلے کے لیے اسی کی طرف رجوع کیے جاتے ہیں۔ (الحدید:۵)
>
> اللہ تو آسمانوں اور زمین اور ساری موجودات کا مالک ہے اور جو زمین وآسمان کے درمیان پائی جاتی ہیں، وہ جو کچھ چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے اور اس کی قدرت ہر چیز پر حاوی ہے۔ (المائدۃ:۱۷)

> آسمانوں اور زمین اور جو کچھ بھی ان میں ہیں ان تمام موجودات کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ (المائدۃ: ۱۲۰)
>
> نہایت بزرگ و برتر ہے وہ اللہ جس کے ہاتھوں میں (پوری کائنات کی) سلطنت ہے اور وہ ہر چیز پر اپنی قدرت رکھتا ہے۔ (الملک: ۱)
>
> کیا تم جانتے نہیں ہو کہ اللہ آسمانوں اور زمین کی سلطنت کا مالک ہے؟ جسے چاہے سزا دے اور جسے چاہے معاف کردے۔ وہ ہر چیز کا اختیار رکھتا ہے۔ (المائدۃ: ۴۰)
>
> کہو ہر چیز کا خالق صرف اللہ ہے اور وہ یکتا ہے، سب پر غالب۔ (الرعد: ۱۶)
>
> اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، سب اسی کے مطیع فرمان ہیں۔ (الروم: ۲۶)

(۳) نظم وتدبیر، حاجت روائی وخبر گیری

اللہ تعالیٰ اس پوری کائنات کا محض خالق و مالک ہی نہیں ہے بلکہ ان تمام مخلوقات کی ہر لمحہ پرورش و پرداخت بھی فرما رہا ہے اور ان کے لیے رزق رسانی اور تکمیل حاجات کا نظم وتدبیر بھی کر رہا ہے:

> حقیقت تو یہ ہے کہ تمہارا رب وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر تختِ سلطنت پر جلوہ گر ہو کر کائنات کا انتظام چلا رہا ہے، یہی اللہ تمہارا رب ہے، لہٰذا تم اسی کی عبادت کرو۔ (یونس: ۳)
>
> وہ آسمان سے لے کر زمین تک کائنات کے تمام معاملات کی تدبیر کرتا ہے۔ (السجدۃ: ۵)
>
> آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہیں سبھی اپنی حاجتیں اسی سے مانگ رہے ہیں۔ (الرحمٰن: ۲۹)
>
> کیا تم نہیں جانتے کہ آسمانوں اور زمین کی فرماں روائی اللہ کے لیے ہے اور اس کے سوا کوئی تمہاری خبر گیری کرنے والا اور تمہاری مدد کرنے والا نہیں ہے۔ (البقرۃ: ۱۰۷)
>
> لہٰذا تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو آسمانوں اور زمین کا مالک اور سارے جہان والوں کا پروردگار ہے۔ (الجاثیۃ: ۳۶)

(۴) حاکمیتِ خالص

جب اللہ تعالیٰ ہی اس پوری کائنات کا خالق، مالک، مدبر، منتظم، پروردگار، نگہبان، متکفل اور حاجت روا ہے تو لامحالہ حاکمیت کا کلی اختیار بھی اللہ رب العزت کے ہاتھوں میں ہی ہونا چاہیے۔ چنانچہ اپنی حاکمیت میں بھی وہ بلاشرکت غیرے واحد ہے:

> اسی کی حکومت ہے۔ (القصص: ۷۰)
>
> اور بادشاہی میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ (الفرقان: ۲)
>
> فیصلے اور حکم کا اختیار کسی کو نہیں ہے سوائے اللہ کے۔ (الانعام: ۵۷)
>
> بندوں کے لیے اس اللہ کے سوا کوئی ولی و سرپرست نہیں اور وہ اپنے حکم و اقتدار میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔ (الکہف: ۲۶)
>
> کہو اختیار سارے کا سارا اللہ ہی کا ہے۔ (آل عمران: ۱۵۴)
>
> بے شک اللہ جو چاہتا ہے، حکم کرتا ہے۔ (المائدۃ: ۱)
>
> اور اللہ فیصلہ کرتا ہے اور کوئی اس کے فیصلے پر نظر ثانی کرنے والا نہیں ہے۔ (الرعد: ۴۱)
>
> اس کے احکامات کو بدلنے والا کوئی نہیں۔ (الکہف: ۲۷)

(۵) حاملِ محاسن وکمالات

اللہ تعالیٰ حاکم مطلق اس لیے بھی ہے کہ وہ تمام محاسن وکمالات کا حامل ہے، جن میں سے کوئی ادنیٰ سی بھی خوبی یا کمال کسی اور کو حاصل ہو ہی نہیں سکتا، اس لیے کہ ما سوا اللہ کے تمام موجودات مخلوق ہیں:

> وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، غیب اور ظاہر ہر چیز کا علم رکھنے والا، وہی رحمٰن اور رحیم ہے۔ وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ بادشاہ ہے، نہایت مقدس، سراسر سلامتی، امن بخشنے والا، نگہبان، سب پر غالب، اپنا حکم بزور نافذ کرنے والا اور بڑا ہی بن کر رہنے والا۔ پاک ہے اللہ اس شرک سے جو لوگ کر رہے ہیں۔ (الحشر: ۲۲-۲۳)
>
> تو تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو آسمانوں اور زمین کا مالک اور پروردگار اور سارے جہاں والوں کا مالک اور پروردگار ہے۔ (الجاثیۃ: ۳۶)

(۶) انسانوں کا بھی خالق و مالک اور منتظم ومدبر

بنی نوع انسان بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے۔ چنانچہ انسانوں کا بھی بلا شرکت غیرے اللہ ہی خالق، مالک، رب، مدبر، منتظم، پروردگار، متکفل، نگہبان، حاجت روا،

حاکم اور فرماں روا ہے:

> درحقیقت تمہارا بھی رب اللہ ہی ہے، جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ (الاعراف: ۵۴)

> وہی تو ہے جس نے تمھارے لیے زمین کو تابع کر رکھا ہے، چلو اس کے راستے پر اور کھاؤ اللہ کا رزق، اسی کے حضور میں دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے۔ (الملک: ۱۵)

> ان سے پوچھو، کون تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے۔ یہ سماعت اور بینائی کی قوتیں کس کے اختیار میں ہیں۔ کون بے جان میں سے جان دار کو اور جان دار میں سے بے جان کو نکالتا ہے۔ کون اس نظم عالم کی تدبیر کر رہا ہے۔ وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ۔ کہو، پھر تم ڈرتے کیوں نہیں؟ پھر تو وہ اللہ ہی تمہارا رب ہے۔ (یونس: ۳۱-۳۲)

> کہو، میں اللہ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں، حالاں کہ وہی ہر چیز کا رب ہے۔ (الانعام: ۱۶۴)

> فرماں روائی (حکومت) کا اختیار اللہ کے سوا کسی کے لیے نہیں ہے۔ اس کا یہ حکم ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت و اطاعت نہ کرو۔ یہی صحیح دین ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔ (یوسف: ۴۰)

> وہ کہتے ہیں کہ (حکومت و معاملات میں) ہمارا بھی کچھ اختیار ہے۔ کہو، اختیار سارا کا سارا اللہ ہی کا ہے۔ (آل عمران: ۱۵۴)

> خبردار! اسی (اللہ) کی خلق ہے اور اسی (اللہ) کا حکم ہے۔ (الاعراف: ۵۴)

(۷) بنی آدم کو خلافتِ ارضی

البتہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے دوسری تمام مخلوقات کے مقابلے میں خصوصی مقام و منصب اور فضیلت سے نوازا ہے اور اس منصب سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اسے خصوصی نعمتیں بھی بخشی ہیں۔ یہ منصب و فضیلت زمین میں خلافت ہے:

> وہی تو ہے جس نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے۔ (فاطر: ۳۹)

> یقیناً ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور انھیں خشکی اور تری میں سواریاں عطا کیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فضیلت دی۔ (بنی اسرائیل: ۷۰)

> یقیناً ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا۔ (التین: ۴)

> بے شک ہم نے تمھیں زمین میں اختیارات کے ساتھ بسایا اور تمھارے لیے یہاں سامانِ زیست فراہم کیا، مگر تم لوگ کم ہی شکر گزار ہوتے ہو۔ (الاعراف: ۱۰)

> وہ اللہ ہی ہے جس نے تمھارے لیے زمین کو جائے قرار بنایا اور آسمان کا گنبد بنا دیا جس نے تمہاری صورت بنائی اور بڑی ہی عمدہ صورت بنائی، جس نے تمھیں پاکیزہ چیزوں کا رزق دیا۔ وہی اللہ (جس نے یہ سب کچھ کیا) تمہارا رب ہے، بے حساب برکتوں والا وہ کائنات کا رب۔ (المؤمن: ۶۴)

> وہی تو ہے جس نے تمھارے لیے زمین کی ساری چیزیں پیدا کیں، پھر آسمان کی طرف توجہ فرمائی اور سات آسمان استوار کیے۔ (البقرۃ: ۲۹)

> وہی تو ہے جس نے تمھارے لیے زمین کو تابع کر رکھا ہے، چلو اس کے راستے پر اور کھاؤ اللہ کا بخشا ہوا رزق۔ (الملک: ۱۵)

> اور اللہ نے وہ سب کچھ تمھیں بخشا جو تم نے مانگا۔ اگر تم ان نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے۔ (ابراہیم: ۳۴)

(۸) علیم و خبیر

حکم و اقتدار اللہ تعالیٰ سارے کا سارا اپنے ہاتھوں میں صرف اس لیے نہیں رکھا ہے کہ وہ خالق، مالک، مدبر، منتظم، پروردگار، متکفل، نگہبان اور حاجت روا ہے، بلکہ اس لیے بھی کہ وہی اپنی مخلوقات کی ساخت و نوعیت، حالات و کیفیات اور ضروریات و مصالح کا حقیقی علم رکھتا ہے، وہ غیب و شہادت اور ظاہر و باطن ہر چیز سے بخوبی واقف ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ہی وہ سمیع و بصیر بھی ہے، اس لیے کہ وہی ان سب کا خالق ہے:

> میرے رب کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔ (الانعام: ۸۰)

> اور وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔ (البقرۃ: ۲۹)

> کیا تم نہیں جانتے کہ آسمان و زمین کی ہر چیز اللہ کے علم میں ہے۔ (الحج: ۷۰)

> اور بے شک اللہ کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ (الطلاق: ۱۲)

> اور خوب جان لو کہ اللہ کو ہر بات کی خبر ہے۔ (البقرۃ: ۲۳۱)

> بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کی ہر پوشیدہ چیز سے واقف ہے۔ وہ سینوں کے چھپے ہوئے راز تک جانتا ہے۔ (فاطر: ۳۸)

> اور خوب جان لو کہ اللہ سننے اور جاننے والا ہے۔ (البقرۃ:۲۴۴)
>
> اور سب کچھ سننے اور جاننے والا تو اللہ ہی ہے۔ (المائدۃ:۷۶)
>
> بے شک اللہ باریک بیں اور باخبر ہے۔ (لقمان:۱۶)
>
> اور اللہ تمام غیب کی باتوں کا پوری طرح علم رکھتا ہے۔ (التوبۃ:۷۸)
>
> وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، غائب اور ظاہر ہر چیز کا جاننے والا۔ (الحشر:۲۲)
>
> تم خواہ چپکے سے بات کرو یا اونچی آواز سے (اللہ کے لیے یکساں ہے) وہ تو دلوں کے حال تک جانتا ہے، کیا وہی نہ جانے گا جس نے پیدا کیا ہے، حالانکہ وہ باریک بیں اور باخبر ہے۔ (الملک:۱۳-۱۴)

☆☆☆

باب—۲

عبادت و اطاعت

مذکورہ بالا اصول و عقائد طے ہو جانے کے بعد اللہ کے بندوں کا کام صرف یہ ہے کہ وہ اپنے رحیم و کریم، سمیع و بصیر، علیم و حکیم، خالق و مالک رب العالمین کی عبادت و اطاعت کے لیے اسی کی بخشی ہوئی ہدایات و احکام کے مطابق بے چوں و چرا کلی طور پر یکسو ہو کر اپنے آپ کو وقف کر دے۔ بلکہ انسانوں کی تخلیق کا مقصدِ وحید ہی اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت قرار دیا گیا ہے۔ ورنہ بصورت دیگر کفر و شرک، بغاوت و سرکشی اور کفرانِ نعمت سے دامن کا آلودہ ہونا لازم آئے گا اور سزا کے مستحق قرار پائیں گے:

> اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس کے سوا کسی کام کے لیے نہیں پیدا کیا کہ وہ میری عبادت و اطاعت کریں۔ (الذٰریٰت:۵۶)

اور اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو محض ان کا مقصدِ تخلیق بتا کر چھوڑ نہیں دیا بلکہ اپنی عبادت و اطاعت کا واضح حکم بھی فرما دیا تا کہ بندوں کے لیے راہِ فرار کی کوئی صورت باقی نہ رہے:

> فرماں روائی صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔ اس کا حکم ہے کہ خود اس کے سوا تم کسی کی عبادت و اطاعت نہ کرو۔ یہی خالص سیدھا دین ہے۔ (یوسف:۴۰)
>
> تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت و اطاعت نہ کرو۔ (ھود:۲)
>
> ان سے کہو، مجھے حکم دیا گیا ہے کہ دین کو اللہ کے لیے خالص کر کے اسی کی عبادت و اطاعت کروں۔ (الزمر:۱۱)
>
> تو تم اللہ ہی کی عبادت و اطاعت کرو، دین کو اسی کے لیے خالص کرتے ہوئے۔ خبردار! دین خالص اللہ کا حق ہے۔ (الزمر:۲-۳)

اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کرتے ہوئے صرف اسی کی عبادت و اطاعت کا حکم دنیا کی تمام قوموں کو پہلے بھی دیا جا چکا ہے:

> اور ان (قبل کی قوموں) کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ کی عبادت و اطاعت کریں اپنے دین کو اس کے لیے خالص کر کے، بالکل یکسو ہو کر، اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں، یہی نہایت صحیح اور درست دین ہے۔ (البینۃ: ۵)

> وہی تو ہے جس نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے۔ اب جو کوئی کفر کرتا ہے، اس کے کفر کا وبال اسی پر ہے، اور کافروں کو ان کا کفر اس کے سوا کوئی ترقی نہیں دیتا کہ ان کے رب کا غضب ان پر زیادہ سے زیادہ بھڑکتا چلا جاتا ہے۔ کافروں کے لیے خسارے میں اضافے کے سوا کوئی ترقی نہیں۔ (فاطر: ۳۹)

یہ عبادت و اطاعت صرف انسانوں ہی کے ساتھ مخصوص نہیں کیا گیا ہے، بلکہ ساری کائنات ہی اللہ رب العزت کی تابعِ فرمان ہے:

> اب کیا یہ لوگ دین اللہ کو چھوڑ کر کوئی اور دین (نظام حیات) چاہتے ہیں؟ حالانکہ آسمانوں اور زمین کی ساری ہی مخلوقات چار و ناچار اللہ ہی کی مسلم (فرماں بردار) ہیں اور اسی کی طرف سب کو پلٹنا ہے۔ (آل عمران: ۸۳)

> اسی کا ہے وہ سب کچھ جو آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور خالصتاً اسی کا دین (ساری کائنات میں) قائم و دائم ہے۔ پھر کیا تم اللہ کو چھوڑ کر کسی اور سے تقویٰ کرو گے۔ (النحل: ۵۲)

دین حق

''دین'' نظام حیات کو کہتے ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک دین اللہ ہے جسے دینِ حق کہتے ہیں۔ خود اللہ تعالیٰ نے اس دین کو دین حق کے علاوہ دین قیم، دین حنیف، دین اللہ یا دین اسلام کہا ہے۔ یہ تمام نام دراصل دین اللہ کی مختلف جہتوں اور وسعتوں کی نشان دہی کرتے ہیں۔

یہ دین چوں کہ اللہ تعالیٰ کا بخشا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے بندوں کے لیے پسند فرمایا ہے اس لیے یہ ان تمام افکار و عقائد اور اعمال صالحہ کے مجموعے کا نام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے ان کی ساخت و فطرت کے مطابق ترتیب بخشی ہے، جو انسانوں کی اپنی ذاتی فطرت کے ساتھ ہی ساتھ اس پوری کائنات کی فطرت سے بھی ہم آہنگ ہے، جس کے اصول اور طریقے ازل سے منضبط اور مستحکم ہیں، جو جملہ عبادات و معاملاتِ زندگی اور سیاسی، معاشی، معاشرتی، تعلیمی اور تمدنی غرض کہ زندگی کے جملہ امور و مسائلِ حیات کو محیط ہے، جو نا قابل ترمیم و تنسیخ ہے، جس میں حذف و اضافے کی بھی قطعی گنجائش نہیں ہے، بس سمعنا و اطعنا جس کا تقاضا ہے۔ یہ نہ تو کسی بھی باطل دین سے کسی بھی طرح کی مناسبت رکھتا ہے، نہ ہی ان میں سے کسی سے اس کا موازنہ کیا جا سکتا ہے اور نہ تو اس میں کسی بھی طرح کی ادنیٰ سی آمیزش ہی ممکن ہے۔ چنانچہ دینِ حق کے حاملین کو صاف صاف حکم دے دیا گیا ہے:

> حکومت اور فرماں روائی اللہ کے سوا کسی کے لیے نہیں ہے۔ اس کا حکم ہے کہ خود اس کے سوا تم کسی کی عبادت و اطاعت نہ کرو۔ یہی بالکل درست نظام زندگی ہے۔ (یوسف: ۴۰)

> تو یکسو ہو کر اپنا رخ اس دین کی سمت میں جما دو، قائم ہو جاؤ اس فطرت پر جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ساخت بدلی نہیں جا سکتی۔ یہی بالکل راست اور درست دین ہے۔ (الروم: ۳۰)

> اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ (البقرۃ: ۲۰۸)

> تو تم اللہ ہی کی عبادت و اطاعت کرو دین کو اسی کے لیے خالص کرتے ہوئے۔ خبردار! دینِ خالص اللہ کا حق ہے۔ (الزمر: ۲-۳)

ادیان باطل

اس نظامِ حق کے برخلاف ادیان باطل ہیں۔ ان کی بہت ساری شکلیں اور قسمیں ہیں اور آئے دن نئی نئی قسمیں وجود میں آتی رہتی ہیں اور اس کے ساتھ ہی ان کی کچھ قسمیں معدوم بھی ہوتی جاتی ہیں۔ یہ تمام ادیان باطل دراصل شیطان کی ڈالی ہوئی فکری، نظری اور عملی نجاستیں ہیں، شیاطینِ جن و انس کی کارستانیوں کے نتیجے میں ان کا وجود ہوتا ہے۔ پھر یہ کہ ان میں تمام ہی ادیان ایک دوسرے سے تھوڑا یا زیادہ اخذ کرتے رہتے ہیں اور خود اپنے اندر حذف و اضافہ کی بھی پوری پوری گنجائش رکھتے ہیں۔ چنانچہ ان کے اندر ہر طرح کی باہمی یگانگت و قربت اور اشتراک و اتفاق کا پایا جانا بھی ممکن ہوتا ہے۔ بالخصوص اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تو وہ ضرور ہی متحد و متفق ہوتے ہیں اور انھیں نقصان پہنچانے کے معاملے میں ایک دوسرے سے پوری طرح اشتراک و تعاون کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس حقیقت سے مطلع کرتے ہوئے ان سے ہوشیار رہنے کی تلقین بھی فرما دی ہے:

> اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا رفیق نہ بناؤ، یہ آپس ہی میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ اور اگر تم میں سے کوئی ان کو اپنا رفیق بناتا ہے تو اس کا شمار بھی پھر ان ہی میں ہے۔ (المائدۃ:۵۱)
>
> جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ ایک دوسرے کے رفیق اور حمایتی ہیں۔ (الانفال:۷۳)
>
> منافق مرد اور منافق عورتیں آپس میں ایک ہی ہیں، برائی کا حکم دیتے ہیں اور بھلائی سے منع کرتے ہیں اور اپنے ہاتھ خیر سے روکے رکھتے ہیں۔ (التوبۃ:۶۷)
>
> اور بلاشبہ ظالم لوگ ایک دوسرے کے ساتھی اور دوست ہیں۔ (الجاثیۃ:۱۹)

خطوات الشیطان

ادیان باطل دراصل شیطانی طریق ہائے زندگی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بخشے ہوئے دینِ حق کے مقابلے میں شیطانوں، ان کے دوستوں، ان کے حلیفوں اور ان کے ہم نواؤں نے اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اللہ تعالیٰ کے تفویض کردہ نظامِ حق و عدل سے منحرف کرنے کے لیے طرح طرح کے مذاہب، مسالک، طریقے اور راستے وضع کیے ہیں، جنہیں لوگوں کے لیے بزعم خود خوش نما، خوش طبع، خوش وضع، پرکشش اور جاذب ثابت کرنے کی طرح طرح کی کوششیں انجام دینے کا بیڑہ اٹھا رکھا ہے۔ یہ سارے کے سارے طاغوتی نظام ہائے زندگی دھوکہ اور فریب ہیں۔ حیات انسانی کے حق میں خیر وصلاح، امن و آشتی، خوش حالی اور کامیابی کے بجائے انتشار وافتراق، فتنہ و فساد، ظلم و ناانصافی، بے رحمی و بے حیائی ہیں، جن کے نتیجے میں انسانی معاشرہ حرص و ہوس، بغض و کینہ، بدحالی و بے سکونی اور عصبیت و بداخلاقی کی آماج گاہ بن کر رہ جاتا ہے:

> بعض لوگ ایسے ہیں جو علم کے بغیر اللہ کے بارے میں بحث کرتے ہیں اور ہر شیطان سرکش کی پیروی کرنے لگتے ہیں، حالانکہ اس کے تو نصیب ہی میں یہ لکھا ہے کہ جو اس کو دوست بنائے گا اسے وہ گمراہ کر کے چھوڑے گا اور عذاب جہنم کا راستہ دکھائے گا۔ (الحج:۳-۴)
>
> وہ اس باغی شیطان کو معبود و مطاع بناتے ہیں، جس کو اللہ نے لعنت زدہ کیا ہے۔ (النساء:۱۱۷)
>
> شیطان نے ان کے برے کرتوت انھیں خوش نما بنا کر دکھائے ہیں۔ وہی شیطان آج ان لوگوں کا بھی سرپرست اور رفیق بنا ہوا ہے۔ اور وہ دردناک سزا کے مستحق بن رہے ہیں۔ (النحل:۶۳)

ایسا اس لیے ہے کہ شیطان اور اس کے ہم نوا اور اہل کار یہ کبھی نہیں چاہتے کہ انسان امن و آشتی، آرام و سکون اور خوش حالی و کامیابی کی زندگی گزارے اور دنیا اور آخرت کی فلاح سے ہم کنار ہو سکے۔ چنانچہ وہ ان چیزوں کی دعوت دیتے ہیں، جن سے اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی ہوتی ہو، تاکہ انسانی زندگی اس دنیا میں بھی جہنم زدہ ہو کر رہ جائے اور آخرت میں بھی وہ ناکام و نامراد ہو:

> یہ دراصل شیطان ہے جو انسانوں کے درمیان فساد ڈلوانے کی کوشش کرتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ (بنی اسرائیل:۵۳)
>
> اے لوگو جو ایمان لائے ہو! شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔ اس کی پیروی کوئی کرے گا تو وہ تو اسے فحش اور بدی ہی کا حکم دے گا۔ (النور:۲۱)
>
> ایک گروہ کو اللہ نے سیدھا راستہ دکھا دیا ہے، مگر دوسرے گروہ پر گمراہی چسپاں ہو کر رہ گئی ہے کیوں کہ انھوں نے اللہ کے بجائے شیاطین کو اپنا سرپرست بنالیا ہے اور وہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم سیدھی راہ پر ہیں۔ (الاعراف:۳۰)
>
> اور شیطان انھیں بھٹکا کر بہت دور لے جانا چاہتا ہے۔ (النساء:۶۰)
>
> سنو! جس نے اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا سرپرست بنالیا وہ صریح نقصان میں پڑ گیا۔ (النساء:۱۱۹)
>
> دراصل شیطان تمہارا دشمن ہے، اس لیے تم بھی اسے اپنا دشمن ہی سمجھو۔ وہ تو اپنے پیروؤں کو اپنی راہ پر اس لیے بلا رہا ہے کہ وہ دوزخیوں میں شامل ہو جائیں۔ (فاطر:۶)

اس طرح دنیا میں انسانی معاشرہ حق اور باطل دو نظاموں میں سے کسی نہ کسی ایک ہی نظام سے منسلک ہوتا ہے۔ دینِ حق کے پیروکاروں کو حزب اللہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور شیطانوں، ان کے اہل کاروں اور ان کے ہم نواؤں کے وضع کردہ نظاموں، خواہ وہ کسی بھی شکل و ہیئت میں ہوں، کے پیروکاروں کو حزب الشیطان کے نام سے۔ قرآن نے واضح اور دوٹوک انداز میں ان دونوں قسموں کو بیان کر کے ان کے انجامِ نیک و بد سے بھی باخبر کر دیا ہے:

> وہ اللہ کی جماعت کے لوگ ہیں۔ خبردار رہو! اللہ کی جماعت کے لوگ ہی فلاح پانے والے ہیں۔ (المجادلۃ:۲۲)
>
> وہ شیطان کی جماعت کے لوگ ہیں۔ خبردار رہو! شیطان کی جماعت کے لوگ ہی خسارے میں رہنے والے ہیں۔ (المجادلۃ:۱۹)

اس لیے مسلمانوں کو خبردار کیا جارہا ہے کہ حزب الشیطان سے مطلق دور رہیں:

> اے ایمان لانے والو! تم پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو کہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ (البقرۃ: ۲۰۸)

نظامِ حق اور نظامِ باطل دونوں ایک دوسرے کی ضد

نظامِ حق اللہ تعالیٰ کا بخشا ہوا اور پسند کیا ہوا ہے۔ اس لیے یہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی فطرت کے عین مطابق ہے۔ لہٰذا، اس دینِ حق پر عمل آوری آسان بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی حمایت و نصرت کا موجب بھی۔ اس کے برخلاف ادیانِ باطل بے حقیقت، بے اصل، غیر فطری اور بہ لحاظ انجام حسرت وخسران اور اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب کا موجب ہے:

> جو لوگ ایمان لاتے ہیں ان کا حامی و ناصر اللہ ہے اور وہ ان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آتا ہے اور کافروں کے حامی و مددگار طاغوت ہیں، وہ انھیں روشنی سے نکال کر تاریکیوں میں لے جاتے ہیں، یہ آگ میں جانے والے لوگ ہیں، جہاں یہ ہمیشہ پڑے رہیں گے۔ (البقرۃ: ۲۵۷)

چنانچہ جب بھی دینِ حق کو قائم کیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ کی حمایت و نصرت اور توفیق کے نتیجے میں نظامِ حق کے قیام و استحکام کی راہیں آسان ہوتی اور کھلتی چلی جائیں گی اور باطل خود بخود ایک ایک کر کے مٹتا چلا جائے گا، اس لیے کہ ان غیر فطری اور شیطانی ریت کے گھروندوں کو ثبات و استحکام نہیں ہے:

> اس طرح کی مثال سے اللہ حق اور باطل کے معاملے کو واضح کرتا ہے کہ جو جھاگ ہے وہ اڑ جاتا ہے اور جو چیز انسانوں کے لیے نافع ہے وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے۔ (الرعد: ۱۷)
>
> اور اعلان کر دو کہ حق آگیا اور باطل مٹ گیا (اس لیے کہ) باطل تو مٹنے ہی والا ہے۔ (بنی اسرائیل: ۸۱)
>
> مگر ہم تو باطل پر حق کی چوٹ لگاتے ہیں جو اس کا سر توڑ دیتی ہے اور وہ دیکھتے دیکھتے مٹ جاتا ہے۔ (الانبیاء: ۱۸)
>
> خبردار رہو! شیطان کی جماعت والے ہی خسارے میں رہنے والے ہیں۔ (المجادلۃ: ۱۹)

دنیا کی تمام قوموں کو اسی نظامِ حق کی ہدایت

اللہ تعالیٰ نے صرف ایک ہی نظامِ حق ''اسلام'' کو منظوری بخشی ہے اور اسے پسند کیا ہے۔ اسی نظامِ حق پر عمل آوری اور اس کے قیام و استحکام کی ہدایت اس نے دنیا کی تمام قوموں کو اپنے نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ کی ہے:

> اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔ (باقی ادیان کی کوئی حقیقت نہیں ہے)۔ (آل عمران: ۱۹)
>
> اور میں نے تمھارے لیے اسلام کو تمھارے دین کی حیثیت سے قبول کرلیا ہے۔ (المائدۃ: ۳)
>
> اس نے تمھارے لیے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوحؑ کو دیا تھا اور جسے اب تمہاری طرف ہم نے وحی کے ذریعہ بھیجا ہے اور جس کی ہدایت ہم ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دے چکے ہیں، اس تاکید کے ساتھ کہ قائم کرو اس دین کو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ۔ (الشوریٰ: ۱۳)
>
> جب اس (ابراہیمؑ) کے رب نے اس سے کہا: ''مسلم ہو جا'' تو اس نے فوراً کہا: ''میں رب العالمین کا مسلم ہو گیا۔'' اور (پھر) اسی دین پر چلنے کی ہدایت اس نے اپنی اولاد کو کی تھی اور اسی کی وصیت یعقوبؑ بھی اپنی اولاد کو کر گیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ ''میرے بچو! بے شک اللہ نے تمھارے لیے اسی دین کو پسند کیا ہے۔ لہٰذا مرتے دم تک مسلم ہی رہنا۔'' (البقرۃ: ۱۳۱-۱۳۲)

بینات، کتاب، میزان اور لوہے کے ساتھ رسولوں کی بعثت

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو صرف نظامِ حق ہی دے کر نہیں چلا دیا بلکہ اس کے ساتھ ہی انھیں واضح نشانیاں، روشن دلائل اور واضح عملی ہدایات کے ساتھ بھیجا، ان کے ساتھ ہی ان کے ساتھ کتاب بھی نازل فرمائی جو انسانوں کی ہدایت کے لیے درکار تھیں تاکہ لوگ تمام شعبہ ہائے زندگی کے امور و معاملات میں اس کی طرف رجوع کریں اور میزان بھی نازل فرمائی، ایک ایسی میزان جو افکار و عقائد، نظریہ و خیالات، اخلاق و معاملات، تعلیم و تمدن، کردار و اعمال میں حق و باطل، درست و نادرست، جائز و ناجائز کو واضح کرتے ہوئے ہر ایک معاملے میں حق کی رہنمائی کرے تاکہ معاشرت، معیشت اور سیاست ہر ایک شعبۂ زندگی میں حق و انصاف قائم کیا جاسکے، ظلم و عدوان پر قدغن لگایا جاسکے۔ اور اس کے ساتھ ہی رسولوں کے مشن میں یہ بات بھی شامل تھی

کہ وہ صرف نظامِ حق کی تبلیغ اور نظامِ باطل سے منع ہی نہ کریں بلکہ اس نظامِ حق کو بھی عملاً نافذ بھی کریں، نظامِ باطل کو مٹا ڈالیں اور زمین پر نظامِ حق کی رحمتوں اور برکتوں سے فیضیاب ہونے کے ہر کسی کو مواقع فراہم کریں۔ چنانچہ رسولوں کو وہ قوت وصلاحیت بھی فراہم کی جاتی رہی جن سے فی الواقع عدل وقسط قائم ہو سکے، عالم انسانیت اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور برکتوں سے فیضیاب ہو سکے، لوگوں کو ہر قسم کے طاغوتوں کی غلامی سے نجات دلائی جا سکے، اس نظامِ حق کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دی جا سکے اور اس کے نفاذ و عمل کی راہ میں مزاحم عناصر کا زور توڑا جا سکے:

> ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف اور روشن دلائل اور نشانیوں اور ہدایتوں کے ساتھ بھیجا، اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تا کہ لوگ عدل وانصاف پر قائم ہوں۔ اور ہم نے لوہا اتارا جس میں بڑا زور اور قوت نافذہ ہے اور اس میں لوگوں کے لیے منافع بھی ہیں۔ اور یہ اس لیے کیا گیا کہ اللہ کو معلوم ہو جائے کہ کون اس کو دیکھے بغیر اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے۔ یقیناً اللہ بڑی قوت والا اور زبردست ہے۔ (الحدید: ۲۵)

☆☆☆

باب — ۳

صفحۂ ہستی سے مٹ جانے والی معذّب قومیں

یہ ان انسانوں کی اپنی لائی ہوئی بدبختی تھی جنھوں نے اپنے رسولوں کے پیش کیے ہوئے نظامِ حق کو قبول نہ کیا اور اپنے رسولوں کی اطاعت سے منہ موڑا بلکہ ان کے برخلاف ان ظالم اور فاسق منکرین حق کے تابع فرمان بن کر رہنا گوارا کیا جو خود بھی بہکے ہوئے تھے اور دوسروں کو بھی نظامِ حق کے فیوض وبرکات سے باز رکھتے تھے۔ وہ شیطانوں کے دامِ فریب ہی میں الجھے رہے۔ انجام کار کتنی ہی قومیں ایسی گزر چکی ہیں جو اس طرح اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دینے کا خود ہی سبب بن گئیں:

> کیا ان لوگوں کو اپنے سے پہلے لوگوں کی خبریں نہیں پہنچیں۔ نوحؑ کی قوم، عاد، ثمود، اور ابراہیمؑ کی قوم اور اہل مدین اور وہ بستیاں جنہیں الٹ دیا گیا، ان کے رسول ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے، پھر اللہ کا کام نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا مگر وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرنے والے تھے۔ (التوبۃ: ۷۰)

نوحؑ کی قوم کو نظامِ حق کی دعوت دی گئی:

> اور ہم نے نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف بھیجا۔ (اس نے کہا:) میں تم لوگوں کو صاف صاف خبردار کرتا ہوں کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت واطاعت نہ کرو ورنہ مجھے اندیشہ ہے کہ تم پر ایک روز دردناک عذاب آ جائے گا۔ (ھود: ۲۵-۲۶)۔

لیکن حضرت نوحؑ کی قوم نے بندگیٔ رب کے بجائے بندگیٔ طاغوت ہی کو ترجیح دی۔ انجام کار وہ دردناک عذاب آ گیا جس میں سارے منکرین دین حق ڈوب مرے اور زمین کو ان ظالموں سے پاک وصاف کر دیا گیا:

> یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ گیا اور وہ (سیلاب کا) تنور ابل پڑا۔ (ھود: ۴۰)
>
> اور کہہ دیا کہ دور ہو گئی ظالموں کی قوم۔ (ھود: ۴۴)

قوم عاد سے ان کے نبی ہودؑ نے نظامِ حق کی طرف پلٹ آنے کی دعوت دیتے ہوئے کہا:

> اور اے میری قوم کے لوگو! اپنے رب سے مغفرت چاہو، پھر اس کی طرف پلٹ آؤ، وہ تم پر آسمانوں کے دہانے کھول دے گا اور تمہاری موجودہ قوت پر مزید قوت کا اضافہ کرے گا، مجرم بن کر (دین حق سے) منہ نہ پھیرو۔ (ھود:۵۲)

لیکن قوم عاد نے نظامِ حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور اللہ کے رسولوں کی بات نہ مانی اور طاغوتوں ہی کی پیروی کرتے رہے۔ آخر کار عذاب الیم نے انھیں تباہ و برباد کر دیا:

> یہ ہیں عاد، اپنے رب کی آیات سے انھوں نے انکار کیا اور اس کے رسولوں کی بات نہ مانی اور ہر جبار دشمنِ حق کی پیروی کرتے رہے۔ آخر کار اس دنیا میں بھی ان پر لعنت پڑی اور قیامت کے روز بھی۔ سنو! عاد نے اپنے رب سے کفر کیا۔ دور پھینک دیے گئے عاد، ہودؑ کی قوم کے لوگ۔ (ھود:۵۹-۶۰)

اسی طرح قوم ثمود بھی نظامِ حق کو قبول نہ کرنے کی صورت میں عذاب میں گھر گئی:

> سنو! ثمود نے اپنے رب سے کفر کیا۔ سنو! دور پھینک دیے گئے ثمود۔ (ھود:۶۸)

اسی طرح قوم لوطؑ بھی سرکشی اور بغاوت کے نتیجے میں تل پٹ کر دی گئی:

> پھر جب ہمارے فیصلے کا وقت آ پہنچا تو ہم نے اس بستی کو تل پٹ کر دیا اور اس پر پکی ہوئی مٹی کے پتھر تابڑ توڑ برسائے جن میں سے ہر پتھر تیرے رب کے یہاں نشان زدہ تھا۔ اور ظالموں سے یہ سزا کچھ دور نہیں۔ (ھود:۸۲-۸۳)

یہی حال اہلِ مدین کا بھی تھا:

> اور مدین والوں کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا۔ اس نے کہا: ''اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت و اطاعت کرو، اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو۔ آج میں تم کو اچھے حال میں دیکھ رہا ہوں، مگر مجھے ڈر ہے کہ کل تم پر ایسا دن آئے گا جس کا عذاب سب کو گھیر لے گا۔ اور اے برادرانِ قوم! ٹھیک ٹھیک انصاف کے ساتھ پورا ناپو اور تولو اور لوگوں کو ان کی چیزوں میں گھاٹا نہ دیا کرو اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔ (ھود:۸۴-۸۵)

لیکن مدین والوں نے اپنے محسن حقیقی کی بات نہ مانی اور ظلم سے باز نہ آئے۔ بالآخر انھیں بھی عذاب نے آلیا اور وہ بے حس و حرکت پڑے رہ گئے:

> اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا، ان کو ایک سخت دھماکے نے ایسا پکڑا کہ وہ اپنی بستیوں میں بے حس و حرکت پڑے کے پڑے رہ گئے، گویا وہ کبھی وہاں رہے بسے ہی نہ تھے۔ سنو! مدین والے دور پھینک دیے گئے جس طرح ثمود پھینکے گئے تھے۔ (ھود:۹۴-۹۵)

ان قوموں کے بعد فرعون اور اس کے متبعین کا بھی یہی انجام ہوا:

> پھر ان قوموں کے بعد (جن کا ذکر کیا گیا) ہم نے موسیٰؑ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کے پاس بھیجا، مگر انھوں نے ہماری نشانیوں کے ساتھ ظلم کیا، تو دیکھ لو ان مفسدوں کا کیا انجام ہوا۔ (الاعراف:۱۰۳)
>
> مگر انھوں نے فرعون ہی کے احکام کی پیروی کی، حالانکہ فرعون کا حکم راستی پر نہ تھا۔ (ھود:۹۷)
>
> پھر ہم نے ان سے انتقام لیا اور انھیں سمندر میں غرق کر دیا کیوں کہ انھوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا اور ان سے وہ بے پروا ہو گئے تھے۔ (الاعراف:۱۳۶)

غرض کہ---

> کتنی ہی ظالم بستیاں ہیں جن کو ہم نے پیس کر رکھ دیا اور ان کے بعد دوسری کسی قوم کو اٹھایا۔
> (الانبیاء:۱۱)

اس لیے کہ---

> آل فرعون اور ان سے پہلے کی قوموں کے ساتھ جو کچھ پیش آیا وہ اسی ضابطے کے مطابق تھا کہ انھوں نے اپنے رب کی آیات کو جھٹلایا تو ہم نے ان کے گناہوں کی پاداش میں انھیں ہلاک کر دیا اور آل فرعون کو غرق کر دیا۔ یہ سب ظالم لوگ تھے۔ یقیناً اللہ کے نزدیک زمین پر چلنے والی مخلوق میں سب سے بدتر وہ لوگ ہیں جنھوں نے حق کو ماننے سے انکار کر دیا، پھر کسی طرح بھی اسے قبول کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ (الانفال:۵۴-۵۵)

☆☆☆

باب—۴

بنی اسرائیل

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان تمام نعمتوں کا وارث بنایا جن پر اب تک فرعونیوں کا تصرف تھا:

> اس طرح ہم انھیں (فرعون اور اس کے سرداروں اور مددگاروں کو) ان کے باغوں اور چشموں اور خزانوں اور ان کی بہترین قیام گاہوں سے نکال لائے۔ یہ سب تو ہوا ان کے ساتھ اور (دوسری طرف) بنی اسرائیل کو ہم نے ان سب چیزوں کا وارث بنا دیا۔ (الشعراء: ۵۷-۵۸)

بنی اسرائیل صرف فرعونیوں کے ترکے کے وارث ہی نہیں ہوئے بلکہ انھیں مزید نعمتوں سے سرفراز کیا گیا۔ انھیں کتاب، حکومت اور نبوت سے نوازا گیا، ان کے لیے دنیا اور دنیاوی نعمتوں کے دروازے کھول دیے گئے۔ ساری دنیا پر انھیں فضیلت بخشی گئی اور دینِ حق پر عمل آوری اور اس کے نفاذ کے لیے واضح ہدایات بخش دی گئیں:

> یقیناً ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکومت اور نبوت عطا کی۔ ان کو ہم نے عمدہ سامانِ حیات سے نوازا، دنیا بھر کے لوگوں پر انھیں فضیلت عطا کی اور دین کے معاملے میں انھیں واضح ہدایات دے دیں۔ (الجاثیۃ: ۱۶-۱۷)
>
> یاد کرو جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا تھا ”اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی اس نعمت کا خیال کرو جو اس نے تمھیں عطا کی تھی۔ اس نے تم میں نبی پیدا کیے، تم کو حکمراں بنایا اور تم کو وہ کچھ دیا جو دنیا میں کسی کو نہ دیا تھا۔“ (المائدۃ: ۲۰)

لیکن بنی اسرائیل نے ان نعمتوں کی قدر نہ کی، بلکہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کیا، نظامِ حق کی خلاف ورزیاں کیں، اپنے اقتدار و اختیار کا غلط استعمال کیا، ظلم و جبر کا رویہ اپنایا، اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی ہدایات و تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا، حالانکہ ان سے ان ہدایات و تعلیمات پر عمل پیرا ہونے اور انھیں نافذ کرنے کا ان سے پختہ عہد لیا جا چکا تھا اور ان عہود کی پابندی کا انھوں نے اقرار بھی کیا تھا لیکن ان میں سے اکثر لوگوں نے اپنے ان عہود کی پابندیوں کا ذرا پاس ولحاظ نہ رکھا اور ان سے مطلقاً منحرف ہو گئے بلکہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے نبیوں کی یاددہانیوں اور نصیحتوں کو رد کرتے چلے گئے، انھیں جھٹلایا، حتیٰ کہ انھیں ناحق قتل کر دینے کا ارتکاب بھی کرتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ دنیا میں بھی ذلیل و خوار ہوتے رہے، پستی و بدحالی ان پر مسلط ہوتی رہی اور محکومی اور مظلومی کا شکار ہوتے رہے، اور آخرت میں بھی وہ ناکام و نامراد رہیں گے:

> اور اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے عہد لیا تھا کہ تمھیں کتاب کی تعلیمات کو لوگوں میں پھیلانا ہوگا، انھیں پوشیدہ نہ رکھنا ہوگا، مگر انھوں نے کتاب کو پس پشت ڈال دیا اور تھوڑی قیمت پر اسے بیچ ڈالا، کتنا برا کاروبار ہے جو یہ کر رہے ہیں۔ (آل عمران: ۱۸۷)
>
> کیا ان سے کتاب کا عہد نہیں لیا جا چکا ہے کہ اللہ کے نام پر وہی بات کہیں جو حق ہو اور یہ خود پڑھ چکے ہیں جو کتاب میں لکھا ہے۔ (الاعراف: ۱۶۹)
>
> یاد کرو وہ وقت، جب ہم نے طور کو تم پر اٹھا کر تم سے پختہ عہد لیا تھا کہ ”جو کتاب ہم تمھیں دے رہے ہیں اسے مضبوطی کے ساتھ تھامنا اور جو احکام و ہدایات اس میں درج ہیں انھیں یاد رکھنا، اسی ذریعے سے توقع کی جا سکتی ہے کہ تم تقویٰ کی روش پر چل سکو گے۔ مگر اس کے بعد تم اپنے عہد سے پھر گئے۔ (البقرۃ: ۶۳-۶۴)
>
> یاد کرو بنی اسرائیل سے ہم نے پختہ عہد لیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا، ماں باپ کے ساتھ، رشتہ داروں کے ساتھ، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا، لوگوں سے بھلی بات کہنا، نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا، مگر تھوڑے آدمیوں کے سوا تم سب اس عہد سے پھر گئے اور اب تک پھرے ہوئے ہو۔ پھر ذرا یاد کرو، ہم نے تم سے مضبوط عہد لیا تھا کہ آپس میں ایک دوسرے کا خون نہ بہانا اور ایک دوسرے کو گھر سے بے گھر نہ کرنا۔ تم نے اس کا اقرار کیا تھا، تم خود اس پر گواہ ہو، مگر آج وہی تم ہو کہ اپنے بھائی بندوں کو قتل کرتے ہو، اپنی برادری کے کچھ لوگوں کو بے خاں نماں کر دیتے ہو، ظلم و زیادتی کے ساتھ ان کے خلاف جتھے بندیاں کرتے ہو اور جب وہ لڑائی میں پکڑے ہوئے تمھارے پاس آتے ہیں تو تم ان کی رہائی کے لیے فدیہ کا لین دین کرتے ہو، حالاں کہ انھیں ان کے گھروں سے نکالنا ہی سرے سے تم پر حرام تھا، تو کیا تم کتاب کے ایک حصے پر ایمان لاتے ہو اور دوسرے حصے کے ساتھ کفر کرتے ہو؟ پھر تم میں سے جو لوگ ایسا کریں، ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ذلیل و خوار ہو کر رہیں اور آخرت میں شدید ترین عذاب کی طرف پھیر دیے جائیں۔ اللہ ان حرکات سے بے خبر نہیں ہے جو تم کر رہے ہو---

> یہ وہ لوگ ہیں، جنھوں نے آخرت بیچ کر دنیا کی زندگی خرید لی ہے، لہٰذا، نہ ان کی سزا میں کوئی تخفیف ہوگی اور نہ انھیں کوئی مدد پہنچ سکے گی۔ (البقرۃ:۸۳-۸۶)

> اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا تھا اور ان میں بارہ نقیب مقرر کیے تھے اور ان سے کہا تھا کہ ''میں تمھارے ساتھ ہوں اگر تم نے نماز قائم رکھی اور زکوٰۃ دی اور میرے رسولوں کو مانا اور ان کی مدد کی اور اپنے اللہ کو اچھا قرض دیتے رہے تو یقین رکھو کہ میں تمہاری برائیاں تم سے زائل کردوں گا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ مگر اس کے بعد جس نے تم میں سے کفر کی روش اختیار کی تو درحقیقت اس نے سواء السبیل گم کردی۔'' پھر یہ ان کا اپنے عہد کو توڑ ڈالنا تھا جس کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت فرمائی اور ان کے دل سخت کردیے۔
>
> (المائدۃ:۱۲-۱۳)

> ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا تھا اور ان کی طرف بہت سے رسول بھیجے، مگر جب کبھی ان کے پاس کوئی رسول ان کی خواہشاتِ نفس کے خلاف کچھ لے کر آیا تو کسی کو انھوں نے جھٹلایا اور کسی کو قتل کردیا اور اپنے نزدیک یہ سمجھے کہ کوئی فتنہ رونما نہ ہوگا، اس لیے اندھے اور بہرے بن گئے۔
>
> (المائدۃ:۷۰-۷۱)

> پھر ان کی عہد شکنی کی وجہ سے اور اس سے کہ انھوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور متعدد انبیاء کو ناحق قتل کیا اور یہاں تک کہا کہ ہمارے دل غلافوں میں بند ہیں۔ حالانکہ درحقیقت ان کی باطل پرستی کے سبب سے اللہ نے ان کے دلوں پر ٹھپہ لگا دیا ہے اور اسی وجہ سے یہ بہت کم ایمان لاتے ہیں۔ پھر اپنے کفر میں یہ اتنے بڑھے کہ مریمؑ پر سخت بہتان لگایا اور خود کہا کہ ہم نے مسیح عیسیٰ بن مریم، رسول اللہ کو قتل کردیا ہے۔ (النساء:۱۵۵-۱۵۷)

> اسی طرح ہم نے ان لوگوں سے بھی پختہ عہد لیا تھا، جنھوں نے کہا تھا کہ ہم ''نصاریٰ'' ہیں، مگر ان کو بھی جو سبق یاد کرایا گیا تھا، اس کا بڑا حصہ انھوں نے فراموش کردیا۔ آخر کار ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لیے دشمنی اور آپس کے بغض وعناد کا بیج بو دیا۔ (المائدۃ:۱۴)

> ذلت وخواری اور پستی وبدحالی ان پر مسلط ہوگئی اور وہ اللہ کے غضب میں گھر گئے۔ یہ نتیجہ تھا اس کا کہ وہ اللہ کی آیات سے کفر کرنے لگے اور نبیوں کو ناحق قتل کرنے لگے۔ یہ نتیجہ تھا ان کی نافرمانیوں کا اور اس بات کا کہ وہ حدودِ شرع سے نکل نکل جاتے تھے۔ (البقرۃ:۶۱)

مغضوب وضالّین

بنی اسرائیل کے نظامِ حق سے پھر جانے، باطل کو گلے لگا لینے، اپنے عہد و میثاق کی خلاف ورزی کرنے اور عبادت واطاعت، سیاست وحکومت، معیشت ومعاشرت اور اخلاق وتمدن میں اللہ تعالیٰ کے احکام وہدایات سے بغاوت وسرکشی کرنے کے نتیجے میں وہ طرح طرح کی اعتقادی اور عملی خرابیوں اور گمراہیوں کے شکار ہوگئے، فسق وفجور، بغاوت وسرکشی، ظلم وزیادتی، حرام وسود خوری، برائی اور بداخلاقی کی وبائیں ان میں عام ہوگئیں اور وہ حق کے بالمقابل آگئے اور باطل کے ہم نوا ہوگئے۔ مثلاً ---

- کتاب الٰہی کے فیصلے سے پہلوتہی کرنا ان کا طریقہ ہوگیا:

> تم نے دیکھا نہیں کہ جن لوگوں کو کتاب کے علم میں سے کچھ حصہ ملا ہے، ان کا حال کیا ہے؟ انھیں جب کتاب الٰہی کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے تو ان میں سے ایک فریق اس سے پہلوتہی کرتا ہے اور اس فیصلے کی طرف آنے سے منہ پھیر جاتا ہے۔ (آل عمران:۲۳)

- کتاب الٰہی کو پس پشت ڈال دینا اور تھوڑی قیمت پر اسے بیچ ڈالنا ان کا عام رویہ ہوگیا:

> اور جب اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے عہد لیا تھا کہ تمہیں کتاب کی تعلیمات کو لوگوں میں پھیلانا ہوگا، انھیں پوشیدہ نہیں رکھنا ہوگا، مگر انھوں نے کتاب کو پس پشت ڈال دیا اور تھوڑی قیمت پر اسے بیچ ڈالا۔ کتنا برا کاروبار ہے جو یہ کررہے ہیں۔ (آل عمران:۱۸۷)

- دینِ حق سے ہٹ کر انھوں نے دوسرے مختلف طریقے وضع کرلیے تاکہ اپنے ان وضعی طریقوں سے وہ ایک دوسرے پر ظلم وزیادتی کریں:

> اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔ اس سے ہٹ کر جو مختلف طریقے ان لوگوں نے اختیار کیے جنہیں کتاب دی گئی تھی، ان کے طرزِ عمل کی وجہ اس کے سوا کچھ اور نہ تھی کہ انھوں نے علم آجانے کے بعد آپس میں ایک دوسرے پر زیادتی کرنے کے لیے ایسا کیا اور جو کوئی اللہ کے احکام و ہدایات کی اطاعت سے انکار کرے اللہ کو اس سے حساب لیتے کچھ دیر نہیں لگتی۔ (آل عمران:۱۹)

- آیاتِ الٰہی کو بیچ ڈالنا کوئی بڑی بات نہیں رہ گئی، حتیٰ کہ تھوڑی قیمت پر بھی:

> تھوڑی قیمت پر میری آیات کو نہ بیچ ڈالو۔ (البقرۃ:۴۱)

- **دیدہ و دانستہ کلام اللہ میں تحریف و تصریف کرنے میں بھی انھیں باک نہیں ہوتا:**

> اور ان میں سے ایک گروہ کا شیوہ یہ رہا ہے کہ اللہ کا کلام سنا اور پھر خوب سمجھ بوجھ کر دانستہ اس میں تحریف کی۔ (البقرۃ: ۷۵)

- **وہ اپنے ہاتھوں شریعت مرتب کر کے اسے من جانب اللہ قرار دینے لگے تا کہ اس کے ذریعہ سے وہ دنیاوی فائدے اٹھائیں:**

> تو ہلاکت اور تباہی ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے ہاتھ سے شریعت کا نوشتہ لکھتے ہیں، پھر لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے آیا ہوا ہے تا کہ اس کے عوض میں تھوڑا سا فائدہ حاصل کر لیں۔ ان کے ہاتھوں کا یہ لکھا ہوا بھی ان کے لیے تباہی کا سامان ہے اور ان کی یہ کمائی بھی ان کے لیے موجب ہلاکت ہے۔ (البقرۃ: ۷۹)

- **اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آیات کا انکار کرنا اور حق کو باطل کا رنگ چڑھا کر مشتبہ بنانا انھوں نے اپنا معمول بنا لیا:**

> اے اہل کتاب! کیوں اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہو، حالانکہ تم خود ان کا مشاہدہ کر رہے ہو۔ اے اہل کتاب! کیوں حق کو باطل کا رنگ چڑھا کر مشتبہ بناتے ہو، کیوں کر حق کو جانتے بوجھتے چھپاتے ہو۔ (آل عمران: ۷۰-۷۱)

- **وہ اخلاقی پستیوں کے شکار ہو کر رہ گئے۔ یہاں تک کہ امانت میں خیانت کر جانا ان کے لیے باعث ننگ و عار نہ رہا:**

> اہل کتاب میں سے کوئی ایسا ہے کہ اگر تم اس کے اعتماد پر مال و دولت کا ایک ڈھیر بھی دے دو تو وہ تمہارا مال تمہیں ادا کر دے گا اور کسی کا حال یہ ہے کہ اگر تم ایک دینار کے معاملے میں بھی اس پر بھروسہ کرو تو وہ ادا نہ کرے گا اِلّا یہ کہ تم اس کے سر پر سوار ہو جاؤ۔ ان کی اس اخلاقی پستی کا سبب یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ "امیوں کے معاملے میں ہم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے۔" اور یہ بات وہ محض جھوٹ گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ حالانکہ انھیں معلوم ہے (کہ اللہ نے ایسی کوئی بات نہیں فرمائی ہے)۔" (آل عمران: ۷۵)

- **جھوٹ سننا، حرام کا مال کھانا، گناہ اور ظلم و زیادتی کے کاموں میں دوڑ دھوپ کرنا ان کے لیے آسان ہو گیا:**

> (یہ بنی اسرائیل) جھوٹ سننے والے اور حرام کا مال کھانے والے ہیں۔ (المائدۃ: ۴۲)

> تم دیکھتے ہو کہ ان میں سے بکثرت لوگ گناہ اور ظلم و زیادتی کے کاموں میں دوڑ دھوپ کرتے پھرتے ہیں اور حرام کا مال کھاتے ہیں۔ بہت ہی بری حرکات ہیں جو یہ کر رہے ہیں۔ کیوں ان کے علماء اور مشائخ انھیں گناہ پر زبان کھولنے اور حرام کھانے سے نہیں روکتے۔ یقیناً بہت ہی برا کارنامۂ زندگی ہے جو وہ تیار کر رہے ہیں۔ (المائدۃ: ۶۲-۶۳)

- **ان کے علماء و مشائخ دوسروں کو گناہوں سے بچنے اور حرام مال کھانے سے منع کیا کرتے، وہ تو خود ہی لوگوں کے مال حرام طریقے سے کھانے لگے، انھیں جمع کرنے لگے اور راہِ خدا میں خرچ نہیں کرتے:**

> اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ان اہل کتاب کے اکثر علماء اور درویشوں کا حال یہ ہے کہ وہ لوگوں کے مال باطل طریقے سے کھاتے ہیں اور انھیں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے روکتے ہیں۔ دردناک سزا کی خوش خبری دے دو ان کو جو سونے چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور انھیں اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ (التوبۃ: ۳۴)

- **وہ اپنی بداعمالیوں کے نتیجے میں قساوت قلب کا شکار ہو کر رہ گئے:**

> بالآخر تمھارے دل سخت ہو گئے، پتھروں کی طرح سخت، بلکہ سختی میں کچھ اس سے بھی بڑھے ہوئے، کیوں کہ پتھروں میں سے تو کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جس میں سے چشمے پھوٹ بہتے ہیں، کوئی پھٹتا ہے اور اس میں سے پانی نکل آتا ہے اور کوئی اللہ کے خوف سے لرز کر گر بھی پڑتا ہے۔
> (البقرۃ: ۷۴)

- **یہ ان کی قساوت قلبی ہی کا نتیجہ ہے کہ وہ توریت کا بار اپنے کندھوں پر اٹھا نہ سکے اور آیاتِ الٰہی کو جھٹلایا:**

> جن لوگوں کو توراۃ کا حامل بنایا گیا تھا مگر انھوں نے اس کا بار نہ اٹھایا، ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جس پر کتابیں لدی ہوئی ہوں۔ اس سے بھی زیادہ بری مثال ہے ان لوگوں کی جنھوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلا دیا ہے۔ (الجمعۃ: ۵)

- **وہ دنیائے دنی کی طرف مائل ہو گئے:**

> پھر اگلی نسلوں کے بعد ایسے ناخلف ان کے جانشیں ہوئے جو کتاب الٰہی کے وارث ہو کر اسی دنیائے دنی کے فائدے سمیٹتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ توقع ہے کہ ہمیں معاف کر دیا جائے گا۔ اور وہی متاعِ دنیا سامنے آ جاتی ہے تو پھر لپک کر اسے لے لیتے ہیں۔ (الاعراف: ۱۶۹)

- صرف یہی نہیں کہ وہ دنیا پرست ہو گئے اور دونوں ہاتھوں سے اسے سمیٹنے میں لگ گئے بلکہ انھوں نے جبت اور طاغوت کو بھی ماننا شروع کر دیا اور کافروں کو صحیح راہ کا حامل قرار دینے لگے:

> کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کے علم میں سے کچھ حصہ دیا گیا ہے اور ان کا حال یہ ہے کہ جِبت اور طاغوت کو مانتے ہیں اور کافروں کے متعلق کہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں سے تو یہی زیادہ صحیح راستے پر ہیں۔ (النساء:٥١)

جبت، جادو، کہانت، فال گیری، ٹونے ٹوٹکے، شگون، مہورت وغیرہ وہمی اور خیالی باتوں کو کہتے ہیں اور طاغوت سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت سے منہ موڑ کر اور اللہ کے احکام و ہدایات کی حدوں سے تجاوز کر کے خود ہی آقائی اور خداوندی کے دعوے دار ہو جاتے ہیں اور خدا کے بندوں سے اپنی عبادت و اطاعت کرانے لگتے ہیں۔ یہ طاغوت افراد بھی ہوتے ہیں اور ان کی مختلف اجتماعی شکلیں اور نظاماتِ سیاست و حکومت اور معیشت و معاشرت بھی:

- جبت کو ماننے اور طاغوت کی عبادت و اطاعت کے ساتھ ہی ساتھ اپنے علماء اور مشائخ کو بھی انھوں نے اپنا رب بنا ڈالا اور حضرت عیسیٰؑ کو الوہیت کا مقام بخش دیا:

> انھوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنا لیا ہے اور اسی طرح مسیح ابن مریم کو بھی۔ حالاں کہ ان کو ایک الٰہ واحد کے سوا کسی کی عبادت کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ وہ جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے، پاک ہے وہ ان مشرکانہ باتوں سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ (التوبۃ:٣١)

- حد تو یہ ہے کہ وہ نبیوں کو ناحق قتل کرنے کا ارتکاب تک کرنے لگے اور وہ ہر اس شخص کی جان کے درپے ہو گئے جو عدل و انصاف اور حق و راستی کی دعوت دیتا:

> جو لوگ اللہ کے احکام و ہدایات کے ماننے سے انکار کرتے ہیں اور اس کے نبیوں کو ناحق قتل کرتے ہیں اور ایسے لوگوں کی جان کے درپے ہو جاتے ہیں جو خلقِ خدا میں سے عدل و راستی کا حکم دینے کے لیے اٹھیں ان کو دردناک عذاب کی خوش خبری دے دو۔ (آل عمران:٢١)

یہ ہے ان کے سیاہ کرتوتوں کی ایک ہلکی سی جھلک جن کے نتیجے میں وہ لعنت کے مستحق قرار پائے۔ اللہ تعالیٰ کا غضب ان پر نازل ہوا اور وہ دائمی عذاب میں مبتلا کر دیے گئے:

> بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ان پر داؤدؑ اور عیسیٰؑ ابن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی کیوں کہ وہ سرکش ہو گئے تھے اور زیادتیاں کرنے لگے تھے۔ انھوں نے ایک دوسرے کو برے افعال سے روکنا چھوڑ دیا تھا۔ برا طرزِ عمل تھا جو انھوں نے اختیار کیا۔ آج تم ان میں بکثرت ایسے لوگ دیکھتے ہو جو کفار کی حمایت و رفاقت اختیار کرتے ہیں۔ یقیناً بہت برا انجام ہے جس کی تیاری ان کے نفسوں نے ان کے لیے کی ہے۔ اللہ ان پر غضب ناک ہو گیا ہے اور وہ دائمی عذاب میں مبتلا ہونے والے ہیں۔ اگر فی الواقع یہ لوگ اللہ اور نبی اور اس چیز کو ماننے والے ہوتے جو نبی پر نازل ہوئی تھی تو کافروں کو اپنا رفیق نہ بناتے، مگر ان میں سے تو بیش تر لوگ اللہ کی اطاعت سے نکل چکے ہیں۔ (المائدۃ:٧٨-٨١)

خود اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے کفر اور نقضِ عہد کی وجہ سے اپنی جانب سے بھی ان پر لعنت فرمائی ہے:

> اصل بات یہ ہے کہ ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان پر لعنت کی ہے۔ (البقرۃ:٨٨)
>
> پھر یہ ان کا اپنے عہد کو توڑ ڈالنا تھا جس کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت کی ہے۔ (المائدۃ:١٣)

ظاہر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ خود بھی کسی پر لعنت کر دے تو پھر اس کی تباہی و بربادی اس حال میں ہو گی کہ کوئی اس کا حامی و ناصر نہیں ہو سکتا:

> ایسے ہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے۔ (اور جس پر اللہ تعالیٰ لعنت کر دے) پھر اس کا تم کوئی مددگار نہ پاؤ گے۔ (النساء:٥٢)

بنی اسرائیل صرف لعنت زدہ ہو کر ہی نہ رہے بلکہ غضب بالائے غضب کے مستحق قرار پائے، جس کا نتیجہ سخت ذلت آمیز سزا مقرر ہے:

> لہٰذا، اب یہ غضب بالائے غضب کے مستحق ہو گئے ہیں اور ایسے کافروں کے لیے سخت ذلت آمیز سزا مقرر ہے۔ (البقرۃ:٩٠)

اور صرف یہی نہیں کہ بنی اسرائیل پر لعنت کی گئی اور وہ غضب و عذاب الٰہی میں گھر گئے بلکہ ان کا شیرازہ بکھر گیا، وہ فرقوں اور ٹولیوں میں بانٹ دیے گئے اور آپس میں اختلافات کے شکار ہو کر رہ گئے، یہاں تک کہ عالمی برتری و فضیلت اور امامت و سیادت کی نعمت بھی ان سے چھین لی گئی اور ذلت و خواری اور پستی و بدحالی ہمیشہ کے لیے ان پر مسلط کر دی گئی۔ یہ اور بات ہے کہ کبھی کبھی اللہ تعالیٰ یا انسانوں کے ذمہ میں انھیں پناہ مل گئی ہو جس کے نتیجے میں وقتی طور پر مصائب و آلام سے انھیں راحت میسر آ گئی ہو:

> یہ جہاں کہیں بھی پائے گئے ان پر ذلت کی مار ہی پڑی، کہیں اللہ کے ذمہ یا انسانوں کے ذمہ میں پناہ مل گئی تو یہ اور بات ہے۔ یہ اللہ کے غضب میں گھر چکے ہیں، ان پر محتاجی و مغلوبی مسلط کر دی گئی ہے۔ (آل عمران:١١٢)

> اور یاد کرو جب کہ تمھارے رب نے اعلان کر دیا کہ ”وہ قیامت تک برابر ایسے لوگ بنی اسرائیل پر مسلط کرتا رہے گا جو ان کو بدترین عذاب دیں گے۔“ یقیناً تیرا رب سزا دینے میں بھی تیز دست ہے اور یقیناً وہ درگزر کرنے والا اور رحم سے بھی کام لینے والا ہے (اگر وہ توبہ کر لیں اور راہ راست پر آ جائیں)۔ (الاعراف: ۱۶۷)

بنی اسرائیل کے حالات و کیفیات اور رویے کو سابقہ قوموں کے مقابلے میں قدرے تفصیل سے پیش کیا گیا ہے۔ اس کی کئی وجوہات ہیں۔ ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل سے قبل کی قومیں اپنے کرتوتوں کے نتیجے میں صفحۂ ہستی سے مٹا ڈالی گئیں اور بنی اسرائیل پر بھی گو کہ عذاب کا کوڑا برسایا جاتا رہا ہے لیکن بحیثیت قوم اس کا خاتمہ نہیں کیا گیا، بلکہ آج بھی نہ صرف ان کا وجود برقرار ہے بلکہ ساری دنیا پر انھوں نے اپنا طاغوتی شکنجہ کس رکھا ہے، جس سے دنیا کی تمام قومیں کراہ رہی ہیں اور مسلمانوں کا تو عرصۂ حیات تنگ کر رکھا ہے۔ دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی تفصیلی تاریخ سے امت مسلمہ سبق لے۔ تیسری بڑی وجہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو امامتِ عالم کے منصب سے معزول کرنے کے بعد ان کی جگہ پر امت مسلمہ کو اس منصب جلیلہ پر فائز کیا گیا ہے۔ چوتھی بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ سب کچھ بنی اسرائیل کے پردے میں دراصل امت مسلمہ کے حالات و کیفیات اور رویے کی نشان دہی ہے جو خیر القرون کے گزر جانے کے معاً بعد بڑی سرعت کے ساتھ امت مسلمہ ان برائیوں اور بیماریوں کا شکار ہوتی چلی گئی۔ بنی اسرائیل کی وہ کون سی خرابی، کج فکری، بے راہ روی اور فسق و فجور رہے جو امت مسلمہ میں در نہیں آئے ہیں اور ان کا کون سا طریقہ اور معاملہ ہے جسے مسلمانوں نے اختیار نہیں کر رکھا ہے، بلکہ صاف محسوس کیا جا سکتا ہے کہ یہ امت انفرادی اور اجتماعی دونوں ہی حیثیتوں سے بنی اسرائیل کے ذیل میں بیان کردہ حالات و کیفیات اور رویے سے بھی ایک قدم آگے بڑھ چکی ہے، یہاں تک کہ یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل ہی کی طرح ذلت و خواری، پستی و بدحالی، نسل کشی اور آبرو ریزی کے دن بھی دیکھتی رہی ہے، بلکہ ان سے بھی بڑھ کر، جیسا کہ آگے جا کر اس کی تفصیلات پیش کی جائیں گی۔ ایسا اس لیے بھی ہوتا رہا ہے کہ جس وقت قرآن میں بنی اسرائیل کا تذکرہ کیا جا رہا تھا، اس وقت ان کے پاس کتاب اللہ ان کے پیش رووں کے دست برد سے محفوظ نہیں رہ گئی تھی بلکہ بہت کچھ ترمیم و تنسیخ، تصریف و تحریف اور حذف و اضافہ کی نذر ہو چکی تھی۔ چنانچہ ان کو ان کی اپنی کتاب کے ذریعہ پوری پوری رہنمائی نہیں مل سکتی تھی۔ اور امت مسلمہ کے پاس آج بھی اللہ کی کتاب من و عن اسی حالت میں موجود ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی تھی۔ اس لیے بنی اسرائیل کے مقابلے میں امت مسلمہ کو زیادہ سخت سزائیں بھی ملتی رہی ہیں۔ ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل کے مقابلے میں اس امت کے افراد خود ہی اپنے آپ کو اس کا زیادہ مستحق بھی بناتے رہے ہیں۔

☆☆☆

باب—۵

نبی آخر الزماں حضرت محمدؐ اور امت مسلمہ

بالآخر سرورِ کونین رحمۃ للعالمین، خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مذکورہ تمام نعمتوں ---حکم، علم، فرقان، روشنی اور ذکر کی شکل میں روشن دلیلیوں، نشانیوں اور ہدایتوں--- کے ساتھ مبعوث فرمایا اور وہ لوہا بھی نازل فرمایا جس میں بڑا زور اور قوت نافذہ ہوتا ہے تاکہ تمام ادیان باطل کو منہدم کیا جا سکے اور بلا رو رعایت طاغوت اور طاغوتی نظامات کے حاملین کے زور کو توڑا جا سکے اور انھیں سرنگوں ہونے پر مجبور کیا جا سکے:

> وہ اللہ ہی ہے جس نے رسول (حضرت محمدؐ) کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے تمام ادیان (باطل اور طاغوتی مذاہب) پر غالب کر دے، خواہ مشرکوں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔
>
> (التوبۃ:۳۳)

اس حقیقت کی تصدیق کے لیے محض اللہ تعالیٰ ہی کی گواہی کافی ہے، نہ اس میں کسی قیل وقال کی گنجائش ہے اور نہ ہی دلیل وحجت کی ضرورت:

> وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول (حضرت محمدؐ) کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے سارے ادیان (باطل اور طاغوتی مذاہب) پر غالب کر دے اور اس حقیقت پر اللہ کی گواہی کافی ہے۔ (الفتح:۲۸)

یہ وہی ابدی اور سرمدی نعمتیں ہیں جنہیں اس سے قبل تمام انبیاء لے کر مبعوث ہوتے رہے ہیں:

> اس نے تمھارے لیے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوحؑ کو دیا تھا اور جسے اب تمہاری طرف ہم نے وحی کے ذریعہ سے بھیجا ہے اور جس کی ہدایت ہم ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دے چکے ہیں اس تاکید کے ساتھ کہ قائم کرو اس دین کو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ۔ یہی بات ان مشرکین کو سخت ناگوار ہوتی ہے جس کی طرف تم انھیں دعوت دے رہے ہو۔ اللہ جسے چاہتا ہے اپنا بنا لیتا ہے اور وہ اپنی طرف آنے کا راستہ اسی کو دکھاتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے۔ لوگوں میں جو تفرقہ ہوا وہ اس کے بعد ہوا کہ ان کے پاس علم آچکا تھا اور اس بنا پر ہوا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے پر زیادتی کرنا چاہتے تھے۔ (الشوریٰ:۱۳-۱۴)

اور پھر شریعت تفویض کرتے ہوئے سابقہ قوموں کی طرح امت مسلمہ کو بھی ہوشیار اور محتاط کر دیا گیا تاکہ وہ سابقہ قوموں کے انجام سے سبق لیتے ہوئے اس عظیم ذمہ داری کو کما حقہ نبھائے:

> اب ان (سابقہ قوموں) کے بعد ہم نے تم کو زمین میں ان کی جگہ دی ہے، تاکہ دیکھیں تم کیسے عمل کرتے ہو۔ (یونس:۱۴)

چنانچہ اسی دینِ حق اور نظامِ حیات کے قیام کی ذمہ داری مفصل احکام وہدایات کے ساتھ امت مسلمہ کو بخشی گئی اور انھیں امامت وسیادت کے منصب پر فائز کیا گیا:

> اس کے بعد ہم نے تم کو دین کے معاملے میں ایک صاف اور واضح شریعت (نظام وطریق زندگی) پر قائم کیا ہے۔ لہٰذا تم اسی پر چلو اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو جو علم نہیں رکھتے۔
>
> (الجاثیۃ:۱۸)

ساتھ ہی ان مؤمنین صالحین سے یہ وعدہ بھی فرمایا گیا کہ وہ انھیں زمین میں اسی طرح خلافت بخشے گا جس طرح ان سے قبل کے لوگوں کو بخشا تھا اور اس دین رحمت وبرکت سے فیضیاب ہونے کے مواقع فراہم فرمائے گا، اس شرط کے ساتھ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مطیع فرمان بن کر رہیں اور کفر و شرک سے باز رہیں:

> اللہ نے وعدہ فرمایا ہے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور صالح عمل کریں کہ وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے، ان کے لیے ان کے اس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر دے گا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں پسند کیا ہے، اور ان کی حالتِ خوف کو امن سے بدل دے گا۔ بس وہ میری عبادت واطاعت کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں۔ (النور:۵۵)

غرض کہ امت مسلمہ کو اللہ تعالیٰ نے مکمل دین حق اور نظامِ زندگی عنایت فرما دیا اور اپنی تمام نعمتیں بخش دیں:

> آج میں نے تمھارے دین کو تمھارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمھارے لیے اسلام کو تمھارے نظامِ زندگی کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے۔ (المائدۃ:۳)

حاملین نظامِ حق کی ذمہ داریاں

دین حق کے متبعین پر اس نظامِ حق کی پوری پوری اطاعت کے ساتھ ساتھ اسے حتی الامکان پورے عالم انسانیت پر قائم اور نافذ کرنا بھی فرض قرار دیا گیا ہے تا کہ دنیا سے ظلم وناانصافی ختم کی جا سکے اور اس کی جگہ عدل وقسط کا نظام رائج ہو سکے، لوگوں کی گردنیں شیطانوں اور طاغوتی عناصر کے چنگل سے چھڑائی جا سکیں اور انھیں اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی آزادانہ، منصفانہ اور پرامن ماحول اور معاشرے میں خوش حال زندگی گزارنے کے مواقع فراہم ہو سکیں، ان کے حقوق کی پامالی سے ان کو محفوظ رکھا جا سکے، افراد اور معاشرے کو فتنہ وفساد کی مضرتوں سے مامون رکھا جا سکے اور ان کے اندر صلاح وفلاح پروان چڑھ سکے، حتی کہ ان میں سے جو کوئی بھی شخص اس دین اللہ کو اختیار کرنا چاہے، اس کے لیے اس کا قبول کرنا اور اس پر گامزن ہونا ممکن اور آسان ہو سکے:

> اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔ اس نے تمھیں اپنے کام کے لیے چن لیا ہے اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی ہے۔ (الحج: ۷۸)

> یہ کہ تم قائم کرو اس دین کو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ۔ (الشوریٰ: ۱۳)

> اور (اے ایمان والو!) تم ان (ظالم فتنہ گروں) سے لڑتے رہو، یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لیے ہو جائے۔ (البقرۃ: ۱۹۳)

> جنگ کرو ان لوگوں کے خلاف جو اللہ اور روز آخر پر ایمان نہیں لاتے اور جو کچھ اللہ نے اور اس کے رسولؐ نے حرام قرار دیا ہے، اسے حرام نہیں کرتے اور دینِ حق کو اپنا دین نہیں بناتے۔ (ان سے لڑتے رہو) یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھوں سے جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر رہیں۔ (التوبۃ: ۲۹)

پھر اس دینِ حق کے متبعین سے بھی عہد لے لیا گیا اور عہد کی یاد دہانی کراتے ہوئے اس پر قائم رہنے کی سخت تاکید کر دی گئی:

> اللہ نے تم کو جو نعمت عطا کی ہے اس کا خیال رکھو اور اس پختہ عہد و پیمان کو نہ بھولو جو اس نے تم سے لیا ہے۔ یعنی تمہارا یہ کہنا کہ ہم نے سنا اور اطاعت قبول کی۔ اللہ سے ڈرو، اللہ دلوں کے راز تک جانتا ہے۔ (المائدۃ: ۷)

> آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کمزور پا کر دبا لیے گئے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کہ ”اے ہمارے رب! ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی و ناصر پیدا کر دے۔ (النساء: ۷۵)

> تو تم شیطان کے ساتھیوں سے لڑو۔ (النساء: ۷۶)

دین اللہ اور نظامِ حق کے قیام واستحکام ہی کے لیے انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث کیے جاتے رہے۔ انبیاء کرام نے ان ہی کوششوں میں اپنی حیات عزیز صرف کیں، یہاں تک کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں اس نظامِ حق کو مکمل اور احسن طور پر غالب اور نافذ کر دیا گیا اور تمام ادیان باطل کی کمر توڑ دی گئی اور انھیں منہدم کر کے زمین بوس کر دیا گیا:

> اور اعلان کر دو کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا (اس لیے کہ) باطل تو مٹنے ہی والا ہے۔
> (بنی اسرائیل: ۸۱)

> اور اللہ باطل کو مٹا دیتا ہے اور حق کو اپنے فرمانوں سے حق کر دکھاتا ہے۔ (الشوریٰ: ۲۴)

اور معاشرے کو اس طرح کا امن وامان، راحت وسکون، حق وانصاف اور نعمت وخوش حالی میسر آ گئی کہ ایک شخص صنعا سے حضر موت تک ہاتھوں میں سونا اچھالتا ہوا چلا جاتا ہے لیکن اسے کسی طرح کا خوف وخدشہ نہیں ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں ان پر سایہ فگن ہو گئیں اور زندگیاں اپنے فطری اور حقیقی حسن ورعنائیوں سے معمور ہو گئیں:

> پھر اللہ نے ان کو دنیا کا ثواب بھی دیا اور اس سے بہتر ثواب آخرت میں بھی عطا کیا۔ اللہ کو ایسے ہی نیک عمل لوگ پسند ہیں۔ (آل عمران: ۱۴۸)

ان نعمتوں، رحمتوں اور برکتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ جوق در جوق دین اللہ کو قبول کرنے لگے اور دیکھتے دیکھتے سارا عرب حق آشنا ہو گیا:

> اور تم دیکھ لو کہ لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں۔ (النصر: ۲)

اس طرح جب مسلمانوں نے آنحضورؐ کی رہنمائی میں اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ شرطوں کے مطابق اپنی زندگیاں استوار کر لیں تو اللہ تعالیٰ نے بھی اپنا وعدہ پورا فرما دیا۔ آنحضورؐ کے ہاتھوں نہایت ہی قلیل مدت میں نظام حق کو غالب فرما دیا۔ پورے سرزمین عرب میں اسلام کا بول بالا ہو گیا۔ قیصر و کسریٰ سرنگوں ہو گئے۔ طاغوتی نظاماتِ زندگی نے اپنے اثرات کھونے شروع کر دیے۔ اسلام کی حقانیت چار دانگ عالم میں اجاگر ہو گئی۔ ہر طرف سے لوگ دین حق کی پناہ میں آ کر اس کی رحمتوں اور برکتوں سے مستفیض ہونے لگے۔ ایک ایسا معاشرہ وجود میں آ گیا جہاں صبر وسکون، امن وآشتی، عدل وانصاف، اخوت ومساوات، حسن اخلاق وکردار، ہم دردی و غم گساری کا عمل دخل ہو گیا۔ لوگوں کی جان ومال، عزت وآبرو، حقوق واحتیاجات کا ہر کوئی پاس ولحاظ

کرنے لگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ان کے توسط سے دین حق اور نظامِ سلیم کے حاملین کو اس نعمت بے بہا کے حاصل ہو جانے پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانے، اس کی تحمید و تسبیح کرنے اور اپنے حق میں مغفرت کی دعا کرنے کا حکم دے دیا:

> جب اللہ تعالیٰ کی مدد آجائے اور فتح نصیب ہو جائے اور تم دیکھ لو کہ لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو اور اس سے مغفرت کی دعا مانگو۔ (النصر:۱-۳)

امت وسط / انتباہ

نظام حق کی ان رحمتوں، برکتوں اور نعمتوں سے مستفیض ہونے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں پر اقوام عالم کی امامت و سیادت اور خلافت و رہنمائی کی ذمہ داری بھی تفویض کی گئی اور ان کی حیثیت امت وسط قرار دی گئی:

> اور اس طرح ہم نے تم مسلمانوں کو ایک امت وسط بنایا ہے تا کہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو۔
>
> (البقرۃ:۱۴۳)

یعنی ایک ایسی اعلیٰ اور اشرف امت بنائی گئی جو عدل و انصاف، حق و راستی، اخوت و مساوات اور اخلاق و اخلاص کی روش پر خود بھی قائم ہو اور دنیا کی تمام قوموں کے درمیان بھی توسط و صدارت کے فرائض انجام دیں، جن کا تعلق سب کے ساتھ حق و راستی کا ہو اور ناحق اور ناروا تعلقات سے دور رہتی ہو اور اقوام عالم پر رب العالمین کے احکام اور مرضیات کے نفاذ کی ذمہ داری جن پر عائد ہوتی ہو۔

اسی کے ساتھ اس تعلق سے بھی انھیں صاف ہدایت فرمادی گئی تھی کہ امت وسط کے تمام افراد باہم مربوط اور متحد ہو کر اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی ہدایات کو مضبوطی سے تھام لیں اور آپس کے اختلاف و افتراق سے بچیں اور مسلکوں، جماعتوں، تنظیموں اور برادریوں میں نہ بٹ جائیں اور ہر حال میں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں:

> اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے، تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔ سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔ اللہ کے

> اس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے۔ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اس نے تمھارے دل جوڑ دیے اور اس کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے۔ تم آگ سے بھرے ہوئے ایک گڑھے کے کنارے کھڑے تھے، اللہ نے تم کو اس سے بچالیا۔ اس طرح اللہ اپنی نشانیاں تمھارے سامنے روشن کرتا ہے تا کہ تم ہدایت پاسکو۔ (آل عمران:۱۰۲-۱۰۳)
>
> اور (اے ایمان والو!) اللہ کی اور اس کے رسولؐ کی اطاعت و فرماں برداری کرو، آپس میں جھگڑو نہیں ورنہ تمھارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ صبر سے کام لو یقیناً اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (الانفال:۴۶)

صرف یہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو آپس میں افتراق، اختلاف، لڑائی جھگڑے اور خون خرابے سے سختی سے منع فرمایا بلکہ ایک مومن کے ہاتھوں ایک مومن کے قتل کو اس قدر قبیح فعل اور اتنا بڑا ظلم قرار دیا کہ یہ قاتل کو ہمیشگی کے لیے جہنم میں پہنچا دینے کے لیے کافی ہے، جہاں وہ اللہ تعالیٰ کے غضب، لعنت اور سخت عذاب میں گھرا ہوگا۔ چنانچہ فیصلہ بھی سنا دیا گیا کہ ایک مومن کسی مومن کو قتل کرے ایسا ہو ہی نہیں سکتا، الّا یہ کہ اس پر حد واجب ہو یا خطا ہو جائے:

> کسی مومن کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ دوسرے مومن کو قتل کرے، الّا یہ کہ اس سے خطا ہو جائے۔ ....اور وہ شخص جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور اللہ نے اس کے لیے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے۔
>
> (النساء:۹۲-۹۳)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت تنبیہ فرمائی تھی کہ ”میرے بعد تم آپس میں تفرقے میں نہ پڑ جانا اور ایک دوسرے کا خون بہا کر کافر نہ ہو جانا“:

> عبد اللہؓ بن عمر سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم حجۃ الوداع کا تذکرہ کر رہے تھے۔ اس وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تھے۔ ہمیں نہیں معلوم تھا کہ حجۃ الوداع کے کیا معنی ہیں۔ آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی تعریف کی اور اس کی ثنا بیان کی .... (اور کہا) ”دیکھو تمہاری خرابی یا تم پر افسوس! تم یوں نہ کرنا کہ میرے بعد اسلام سے پھر کر کافر ہو جاؤ اور تم آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔“
>
> (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب ۷۷، حجۃ الوداع، کتاب الفتن، باب ۸ قول النبی ﷺ لا ترجعوا بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب ۲۸، بیان قول النبی ﷺ سباب المسلم فسوق و قتاله کفر،

حدیث ۱۱۶، باب ۲۹ بیان معنی قول النبی ﷺ لا ترجعوا بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض، حدیث ۱۱۸، کتاب الفتن و اشراط الساعة، باب ۵ ھلاک ھذہ الامة بعضھم ببعض عن ثوبان، ابو داؤد، کتاب السنة باب ۱۵ حدیث ۴۶۸۶ عن عبد اللہ بن عمر، سنن النسائی، کتاب التحریم الدم، باب ۲۹، حدیث ۴۱۲۲ تا ۴۱۲۹، سنن ابن ماجة، کتاب الفتن، باب ۵، لا ترجعوا بعدی کفاراً یضرب بعضکم رقاب بعض، حدیث ۳۹۴۲ عن ابن عبد اللہ، حدیث ۳۹۴۳ عن عبد اللہ بن عمر، سنن الدارمی، کتاب المناسک، باب ۷۶، في حرمة المسلم، عن جریر بن عبد اللہ)

حضرت جریرؓ سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں جریر (ابن عبد اللہ بجلی) سے فرمایا: ''لوگوں کو خاموش کرو'' پھر فرمایا: ''لوگو! میرے بعد ایسا نہ کرنا کہ ایک دوسرے کی گردن مار کر کافر نہ بن جانا۔''

(صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب ۷۷، حجة الوداع، کتاب الدیات، باب ۲، قول اللہ تعالیٰ ومن احیاھا، کتاب الفتن، باب ۸، قول النبی ﷺ لا ترجعوا بعدی کفاراً یضر ب بعضکم رقاب بعض، سنن ابن ماجة، کتاب الفتن، باب۵، لا ترجعوا بعدی کفاراً یضرب بعضکم رقاب بعض، حدیث ۳۹۴۲، ۳۹۴۳)

ابو بکرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ....''اور دیکھو تم کو ایک دن ضرور اپنے رب کے پاس جانا ہے اور وہ ضرور تمھارے اعمال کی باز پرس کرے گا تو کہیں ایسا نہ کرنا کہ میرے بعد ایک دوسرے کی گردنیں مار کر گمراہ ہو جاؤ۔''

(صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب ۷۷، حجة الوداع)

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کہیں ایسا نہ کرنا کہ میرے بعد ایک دوسرے کی گردن مار کر کافر بن جاؤ۔''

(صحیح البخاری، کتاب الدیات، باب ۲، قول اللہ تعالیٰ و من احیاھا)

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: ''جو شخص ہم (مسلمانوں) پر تلوار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔'' (یعنی مسلمان نہیں ہے)۔ اس حدیث کو ابو موسیٰ اشعریؓ نے بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔

(صحیح البخاری، کتاب الدیات، باب ۶، قول اللہ تعالیٰ و من احیاھا، کتاب الفتن، باب ۷ قول النبی ﷺ من حمل علینا السلاح فلیس منا، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب ۴۲، قول النبی ﷺ من حمل علینا السلاح فلیس منا، حدیث نمبر

۱۶۱، و عن سلمة باب ایضاً حدیث نمبر ۱۶۲، و عن ابی موسیٰ اشعریؓ باب ایضاً حدیث نمبر ۱۶۳، سنن النسائی، کتاب تحریم الدم، باب ۲۷، قتال المسلم، حدیث نمبر ۴۱۰۶، جامع الترمذی، کتاب الحدود، باب ۲۶، باب ما جاء في من شھر السلاح، حدیث نمبر ۱۴۵۹، سنن ابن ماجة، کتاب الحدود، باب ۱۹، من شھر السلاح، حدیث نمبر ۲۵۷۶، وعن ابی ھریرةؓ حد.یث نمبر ۲۵۷۵، وعن ابی موسی الاشعریؓ، حدیث نمبر ۲۵۷۷)

حضرت ابی بکرہؓ سے روایت ہے۔ انھوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو خطبہ سنایا..........آپؐ نے فرمایا: ''اے اللہ تو گواہ رہنا'' پھر فرمایا: ''جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ میری بات ان لوگوں کو پہنچا دیں جو موجود نہیں ہیں۔ اس لیے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جس کو کوئی بات پہنچائی جاتی ہے وہ اس بات کے سننے والے سے زیادہ اس کو یاد رکھتا ہے۔'' راوی کہتے ہیں کہ آپؐ نے جیسا فرمایا تھا ویسا ہی ہوا۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا: ''دیکھو میرے بعد ایک دوسرے کی گردنیں مار کر کافر نہ ہو جانا۔''

(صحیح البخاری، کتاب الفتن، باب۸، قول النبی ﷺ لا ترجعوا بعدی کفاراً یضرب بعضکم رقاب بعض وغیرہ)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے۔ انھوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے بعد ایک دوسرے کی گردنیں مار کر کافر نہ بن جانا۔

(صحیح البخاری، کتاب الفتن، باب۸، قول النبی ﷺ لا ترجعوا بعدی کفاراً یضرب بعضکم رقاب بعض وغیرہ)

ابو درداءؓ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، وہ فرماتے ہیں: ''ہر گناہ کی یہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے گا مگر جو شرک کی حالت میں مرے یا مومن کو قصداً قتل کرے۔''

(سنن ابی داؤد، کتاب الفتن والملاحم، باب۶ في تعظیم قتل المؤمن، حدیث ۴۲۷۰)

عبد اللہ (بن مسعودؓ) نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مسلمان کو برا کہنا، گالی دینا فسق ہے اور اس کا قتل کرنا کفر ہے۔''

(صحیح البخاری، کتاب الفتن، باب۸، قول النبی ﷺ لا ترجعوا بعدی کفاراً یضرب بعضکم رقاب بعض، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب۲۸، بیان قول النبی ﷺ سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر، حدیث نمبر ۱۱۶، سنن النسائی، کتاب تحریم

الدم، باب ۱، حدیث نمبر ۳۹۸۲ (راوی اور الفاظ کے فرق کے ساتھ) جامع الترمذی، ابواب الایمان، باب ۱۵، ما جاء سباب المسلم فسوق، حدیث ۲۶۳۵، سنن ابن ماجة، کتاب الفتن، باب ۴، سباب المسلم فسوق وقتاله کفر، حدیث نمبر ۳۹۳۹، ۳۹۴۰، ۳۹۴۱)

اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کو یہ بھی سخت تاکید کی گئی تھی کہ وہ مسلمانوں کے علاوہ کسی سے دوستی کا پینگ نہ بڑھائیں، انھیں اپنا رازدار نہ بنائیں، نہ تو ان سے کسی قسم کی امیدیں وابستہ رکھیں اور نہ ہی انھیں اپنا معاون اور پشت پناہ بنائیں۔ اس لیے کہ ان کی رفاقت و معاونت دھوکے کا سبب ہی ثابت ہوگی۔ ظاہر ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کا نہ ہوسکا وہ کسی اور کا کیوں کر ہوسکتا ہے:

> اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنی جماعت کے لوگوں کے سوا دوسروں کو اپنا رازدار نہ بناؤ۔ وہ تمہاری خرابی کے کسی موقع سے فائدہ اٹھانے میں نہیں چوکتے، تمہیں جس چیز سے نقصان پہنچے وہی ان کو محبوب ہے۔ ان کے دل کا بغض ان کے منہ سے نکلا پڑتا ہے اور جو کچھ وہ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں وہ اس سے بھی شدید تر ہے۔ ہم نے تمہیں صاف صاف ہدایات دے دی ہیں، اگر تم عقل رکھتے ہو (تو تم ان سے اپنائیت اور رفاقت کا تعلق ہرگز نہیں رکھوگے)۔ (آل عمران:۱۱۸)
>
> اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم ان لوگوں کے اشاروں پر چلو گے جنھوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے تو وہ تم کو الٹا پھیر لے جائیں گے اور تم نامراد ہو جاؤ گے۔ (آل عمران:۱۴۹)
>
> اے لوگو جو ایمان لائے ہو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں (اور منافقوں) کو اپنا رفیق، معاون اور پشت پناہ نہ بناؤ۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ کو اپنے خلاف صریح حجت دے دو۔ (النساء:۱۴۴)
>
> اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا رفیق، معاون اور پشت پناہ نہ بناؤ۔ یہ آپس ہی میں ایک دوسرے کے رفیق، مددگار اور نگہبان ہیں۔ اور اگر تم میں سے کوئی ان کو اپنا ولی بناتا ہے تو اس کا شمار بھی پھر ان ہی میں ہے۔ یقیناً اللہ ظالموں کو اپنی رہنمائی سے محروم کر دیتا ہے۔
> (المائدۃ:۵۱)

اور مسلمانوں کو زندگی کے جملہ امور و معاملات میں خواہ ان کا تعلق انفرادی معاملے سے ہو کہ اجتماعی امور سے، سیاست سے ہو کہ سیادت سے، معیشت سے ہو کہ معاشرت سے اور تعلیم سے ہو کہ تمدن سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے اور احکام کی بہر حال اور بہر صورت بے چوں و چرا قبول کرنے اور ان پر عمل کرنے کی تاکید کر دی گئی ہے اور ان کی خلاف ورزی کو صریح گمراہی، کفر، ظلم اور فسق قرار دیا گیا ہے:

> کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسولؐ کسی معاملے کا فیصلہ کردے تو پھر اسے اس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔ (الاحزاب:۳۶)
>
> اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ و حکم نہ کریں وہی کافر ہیں۔ (المائدۃ:۴۴)
>
> اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ و حکم نہ کریں وہی ظالم ہیں۔ (المائدۃ:۴۵)
>
> اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ و حکم نہ کریں وہی فاسق ہیں۔ (المائدۃ:۴۷)

اس طرح مذکورہ شرطوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت کرنے والے مسلمانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ انھیں زمین میں اقتدار اور امامت بخشے گا اور ان کے لیے اپنے پسندیدہ دینِ حق کو بھی مضبوط بنیادوں پر قائم فرمادے گا:

> اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے۔ ان کے لیے ان کے دین (اللہ کے قائم کردہ نظام زندگی) کو مضبوط بنیادوں پر قائم کردے گا جسے اللہ نے ان کے حق میں پسند کیا ہے۔ اور ان کی حالتِ خوف کو امن سے بدل دے گا۔ بس وہ میری عبادت و اطاعت کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں۔ (النور:۵۵)

اور اگر وہ ان ہدایات سے روگردانی کریں گے اور کفرانِ نعمت کے مرتکب ہوں گے تو انھیں بھی اسی طرح کے انجام سے دوچار ہونا پڑے گا جس طرح بنی اسرائیل دوچار ہوئے ہیں اور مغضوب و ضالین قرار دیے گئے ہیں اور طرح طرح کے عذابوں میں گرفتار ہوتے رہے ہیں:

> بنی اسرائیل سے پوچھو، کیسی کھلی کھلی نشانیاں ہم نے انھیں دکھائیں۔ (اور پھر یہ بھی ان ہی سے پوچھ لو کہ) اللہ کی نعمت پانے کے بعد جو قوم اس کو شقاوت سے بدل دیتی ہے، اسے اللہ تعالیٰ کیسی سخت سزا دیتا ہے۔ (البقرۃ:۲۱۱)
>
> پھر لوگوں نے اپنے دین کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر لیے۔ ہر گروہ کے پاس جو کچھ ہے، اسی میں وہ مگن ہے --- اچھا تو چھوڑو انھیں، ڈوبے رہیں اپنی غفلت میں ایک وقت خاص تک۔
> (المؤمنون:۵۳-۵۴)

پھر اس نظامِ حق کے متبعین کو اس نظامِ حق کو قائم و دائم رکھنے کی لیے واضح طور پر خبردار کر دیا گیا کہ وہ اپنی پیش رو قوم بنی اسرائیل سے سبق لیں اور اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی نعمتوں کی خاطر خواہ قدر کریں اور اپنی ذمہ داریوں کو بحسن و خوبی انجام دیں:

اور (تم سے قبل) بنی اسرائیل کو ہم نے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کی تھی، ان کو ہم نے پاکیزہ اور عمدہ سامان زیست سے نوازا تھا اور دنیا بھر کے لوگوں پر ان کو فضیلت عطا کی تھی اور دین کے معاملے میں انھیں صاف صاف واضح ہدایات دے دی تھیں، پھر جو اختلاف ان کے درمیان رونما ہوا وہ (ناواقفیت کی وجہ سے نہیں بلکہ) علم آجانے کے بعد ہوا اور اس بنا پر ہوا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے پر زیادتی کرنا چاہتے تھے۔ اللہ قیامت کے روز ان معاملات کا فیصلہ فرمادے گا جن میں وہ اختلاف کرتے رہے ہیں۔ اس کے بعد اب ہم نے تم کو دین کے معاملے میں ایک صاف شریعت پر قائم کیا ہے، لہٰذا تم اسی پر چلو اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو جو علم نہیں رکھتے۔ اللہ کے مقابلے میں وہ تمھارے کچھ بھی کام نہیں آسکتے۔ ظالم لوگ ایک دوسرے کے حامی وناصر اور ولی ہیں اور متقیوں کا ولی اللہ ہے۔ یہ بصیرت کی روشنیاں ہیں سب لوگوں کے لیے اور ہدایت اور رحمت ان لوگوں کے لیے جو یقین رکھتے ہیں (کہ اللہ کی نازل کردہ شریعت اور نظامِ زندگی ہی فی الحقیقت اصل ہیں اور انسانی فلاح وکامرانی کا ضامن دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی)۔ (الجاثیۃ: ۱۶-۲۰)

مسلمانوں میں کفر وشرک، الحاد ودہریت اور فسق وفجور

اللہ اور اس کے رسولؐ کی جانب سے صاف صاف تاکید اور انتباہ کے باوجود مسلمانوں میں سے بہت جلد کثیر تعداد ایسی اٹھتی چلی گئی جنھوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی ہدایات اور تنبیہات کو بالائے طاق رکھ دیا اور ان تمام خرابیوں اور خلاف ورزیوں کے مرتکب ہوتے چلے گئے جن سے انھیں سختی سے منع کیا گیا تھا اور ان تمام احکام وہدایات سے روگردانی کرتے چلے گئے جن کا انھیں حکم دیا گیا تھا، جب کہ کلام الٰہی سے وہ بخوبی واقف تھے اور ان کی تلاوت بھی کرتے تھے، یہاں تک کہ اس تلاوت اور واقفیت کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

انھیں دینِ حق، نظامِ ربانی، شریعت مطہرہ کے قیام واستحکام کا حکم دیا گیا تھا اور آپس کے تفرقے سے انھیں سختی سے منع کر دیا گیا تھا۔ لیکن ان سب کے باوجود وہ بہت جلد آپس میں متفرق ہوگئے اور نظامِ ربانی کو انھوں نے بالائے طاق رکھ دیا اور ذاتی اور خاندانی حکمرانوں اور طاغوتوں کو اللہ اور رسولؐ کے مقابلے میں ترجیح دی، بلکہ ان کے لیے اپنی زندگیاں وقف کرڈالیں، جن کا انھیں مطلق حق نہ تھا۔ جس باطل کو مٹا کر اس کی جگہ حق کو قائم اور مستحکم کیا گیا تھا، اسی باطل کو پھر سے نصب کر دیا گیا اور حق و انصاف اور عدل ومساوات کی جگہ ظلم وناانصافی، حق کشی وحق تلفی ان کا نصب العین ہوکر رہ گیا۔

ان ظالموں سے انھیں جنگ کرنے کا حکم دیا گیا تھا، جنھوں نے مظلوم اور بے بس مردوں، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو یرغمال بنا رکھا تھا اور ان کا عرصۂ حیات تنگ کرکے رکھ دیا تھا، جس کے نتیجے میں وہ ظالموں کی بستی سے نجات پانے کی دعائیں مانگا کرتے تھے۔ لیکن ظالموں سے ان مظلوموں کی گردنیں چھڑانے کے بجائے وہ خود ہی ظالم بن بیٹھے اور الٹے مسلمانوں میں سے بھی لوگوں کو بے بس اور مجبور محض بنا کر رکھ دینے میں اپنی قوتیں صرف کرنے لگے اور اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا، اور آخرت سے بے پروا ہوگئے۔ انھیں یاد نہ رہا کہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ بڑی سخت ہے۔ دنیا میں بھی جب ان پر عذاب آئے گا تو انھیں کہیں پناہ نہیں مل سکے گی۔

وہ تفرقے میں پڑ گئے اور آپسی نزاعات کے شکار ہوکر رہ گئے۔ عقیدہ ومسلک، قبیلہ وعلاقہ اور سیاسی طالع آزمائیوں کی بنیادوں پر گروہ در گروہ تقسیم ہونے شروع ہوگئے۔ اور صرف یہی نہیں کہ وہ گروہ در گروہ تقسیم ہوکر پارہ پارہ ہوگئے بلکہ آپس میں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوگئے اور کشت وخون کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع کرڈالا۔ حالاں کہ انھیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ سبھی مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط تھام لیں اور فرقہ بندیوں کے شکار نہ ہوں اور آپس میں لڑیں نہیں۔ ایک مومن کا خون بہانا کفر قرار دیا گیا تھا اور ہمیشگی کے جہنم کی وعید بھی سنادی گئی تھی۔

مسلمانوں ہی میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ کے خلاف غیروں، کافروں اور اسلام دشمن عناصر سے معاونت اور پشت پناہی چاہنے لگا اور ان سے رفاقت اور روابط کو مقدم قرار دیا۔ چنانچہ وہ بھی انھیں الٹا پھیر لے گئے اور انھیں ان تمام عقائدی، فکری اور عملی خرابیوں اور نجاستوں میں مبتلا کر چھوڑا جن میں وہ خود مبتلا تھے، حتی کہ کفر وشرک، الحاد ودہریت اور فسق وفجور کے عمیق غار میں گر کر رہ گئے۔ ظاہر ہے کہ اسلام دشمن عناصر کا مقصد وحید بھی یہی رہا ہے، جس سے اللہ اور اس کے رسولؐ نے مسلمانوں کو کماحقہ خبردار کر دیا تھا۔

اللہ اور اس کے رسولؐ کے فیصلے کو قبول کرنے، انھیں اپنی زندگی میں درلانے اور نظامِ زندگی کی حیثیت سے انھیں نافذ اور غالب کرنے کے بجائے وہ اپنی من مانی کرنے لگے، جس خون کو اللہ نے حرام ٹھیرایا تھا اسے حلال کرڈالا، جس مال پر اللہ کے مستحق بندوں کا حق تھا، اس کو اپنے عیش وعشرت کے لیے غصب کرلیا۔ اللہ کے بندوں سے ناحق مال وصول کرکے اسے اپنی حکمرانی اور تسلط کے قیام وبقا کے لیے بے دریغ لٹانا شروع کر دیا۔ اللہ کے بندوں کی ہر طرح کی آزادیاں

سلب کر لیں اور انھیں یرغمال اور اپنی مرضی کا تابع بنا کر رکھ دیا۔ انھیں اس قدر مسموم اور مجبور رکھا گیا کہ حق بات کہنے تک کا انھیں یارا نہ رہا، کیوں کہ ادھر حق بات کا اظہار ہوا نہیں کہ ادھر سر دھڑ سے جدا کر دیا جاتا۔

انھیں یہود و نصاریٰ کی برائیوں، خرابیوں، کج فکریوں، بدعقیدگیوں، خوش گمانیوں، بدعتوں، ضلالتوں، حرام خوریوں، حق تلفیوں، مفاد پرستیوں، دنیا پرستیوں اور آخرت فراموشیوں کی تفصیلات سے آگاہ کرتے ہوئے ان منکرات سے بچنے کی سخت تاکید کر دی گئی تھی۔ اس کے باوجود بھی وہ یہود و نصاریٰ کے نقش قدم پر بے تحاشا چل پڑے اور ان کی تمام منکرات کو من وعن اپنا لیا۔ حتی کہ اپنی پانچ وقت کی نمازوں کی ہر رکعت میں مغضوب اور ضالین لوگوں کی راہوں سے بچنے کی دعا کرتے ہوئے بھی انھیں قوموں کی پوری پوری اقتدا کرنے لگے، اس حقیقت کے باوجود کہ یہود و نصاریٰ کے بعد کی نسلوں کو تو محرف شدہ کلام الٰہی ہاتھ لگا تھا جب کہ مسلمانوں کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ کلام الٰہی من وعن تاہنوز موجود اور محفوظ ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ پیشن گوئی حرف بہ حرف سچ ثابت ہوئی جس میں انھوں نے کہا تھا:

> ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے۔ انھوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم ان لوگوں کے طریقوں پر بالشت بالشت اور ہاتھ ہاتھ چل کر رہو گے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں، یہاں تک کہ اگر وہ کسی گوہ کے سوراخ میں گھسیں تو تم بھی ان کے ساتھ گھس کر رہو گے“ ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل کی امتوں سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”پھر اور کون ہیں۔“

(صحیح البخاری، کتاب الاعتصام بالسنة، باب ۱۴، قول النبی ﷺ لتتبعن سنن من کان قبلکم، کتاب الانبیاء، باب ۵۰ ما ذکر عن بنی اسرائیل، صحیح مسلم، کتاب العلم، باب ۳، اتباع سنن الیھود و النصاریٰ، حدیث نمبر ۶)

> حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم اپنے سے قبل کے لوگوں کی راہ قدم بہ قدم، دست بدست، اور بالشت بہ بالشت چل کر رہو گے، یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کے سوراخ میں گھسے ہوں گے تو تم بھی گھس کر رہو گے۔“ لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! قبل کے لوگوں سے مراد کیا یہود و نصاریٰ ہیں؟ آپ نے فرمایا: ”پھر اور کون۔“

(سنن ابن ماجة، کتاب الفتن، باب ۱۷، افتراق الامم، حدیث نمبر ۳۹۹۴)

> حضرت ابو ہریرہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک میری امت بھی قبل کی امتوں کی چال نہ چلے گی بالشت بالشت اور ہاتھ ہاتھ۔“ لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل کی امتوں سے مراد کیا ایرانی اور رومی ہیں؟ آپ نے فرمایا: ”ان کے سوا اور کون۔“

(صحیح البخاری، کتاب الاعتصام بالسنة، باب ۱۴، قول النبی ﷺ لتتبعن سنن من کان قبلکم)

مسلمان مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔ مغضوب وضالین یہود و نصاریٰ ہی کی طرح مسلمانوں میں سے ایک بڑا طبقہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے روگردانی کرنے لگا۔ دنیاوی لذات وعیش کی خاطر بہت تھوڑی قیمتوں پر کلام الٰہی کو بیچ ڈالنے میں لوگوں کو ذرا باک نہ ہونے لگا۔ ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی روا رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے احکام و ہدایات سے وہ روگردانی کرنے لگے۔ کتمانِ حق کے مرتکب ہو گئے۔ امانت میں خیانت عام ہو گئی۔ وہ ناحق طریقے سے ایک دوسرے کا مال کھانے لگے۔ یہود و نصاریٰ ہی کی طرح اپنے آپ کو اللہ کے چہیتے قرار دینے لگے اور نحن ابناء اللہ (ہم اللہ کی اولاد ہیں) کے دعوے کرنے لگے۔ جنت پر اپنا حق اور اپنی اجارہ داری ثابت کرنے لگے۔ جبت اور طاغوت کو ماننے لگے۔ مسلمانوں کے خلاف یہود و نصاریٰ اور دیگر مشرک، ملحد، فاسق اور کافر اقوام سے دوستی اور حمایت کا دم بھرنے لگے اور خود آقا و مالک بن کر لوگوں کو اپنا مطیع فرمان بنانے لگے اور عام لوگوں کے عرصۂ حیات کو تنگ کرنے لگے۔ بنی اسرائیل ہی کی طرح ان میں بھی فریسی، احبار اور رہبان پیدا ہونے لگے جن کی بے چوں و چرا اطاعت کی جانے لگی۔ ان میں سے ہر کسی نے اپنی اپنی ٹولیاں الگ کرنی شروع کر دیں۔ اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی اس ہدایت کو بھول گئے جس میں کہا گیا:

> کہیں تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقوں میں بٹ گئے اور کھلی کھلی واضح ہدایات پانے کے بعد پھر کہیں اختلاف میں مبتلا ہوئے۔ (آل عمران: ۱۰۵)

غرض کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ پیشین گوئی حرف بہ حرف سچ ثابت ہوئی اور وہ بھی بہت جلد۔

چنانچہ انھوں نے بھی اس طرح بنی اسرائیل ہی کی طرح غضب وعتاب الٰہی کو دعوت دے دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ بہت جلد امامت وسیادت کے منصب جلیلہ سے معزول کر دیے گئے اور ذلت

وخواری اور پستی و بدحالی کے نرغے میں آ گئے۔ ان پر مغلوبی اور محتاجی مسلط کر دی گئی۔ اور اغیار ہر چہار اطراف سے ان پر اس طرح ٹوٹ پڑے جیسے بھوکے دستر خوان پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ سچ ہے کہ یہ سب کچھ ان کے اپنے کسب وعمل کا نتیجہ تھا:

> اور جو بھی مصیبت تجھ پر آتی ہے، وہ تیرے اپنے کسب وعمل ہی کی بدولت آتی ہے۔
>
> (النساء:۷۹)
>
> حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر ظلم نہیں کرتا، لوگ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔
>
> (یونس:۴۴)
>
> بے شک اللہ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل دیتی۔
>
> (الرعد:۱۱)

یہ انحراف اور انحطاط کا دور بہت جلد آ گیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشن گوئی کی تھی:

> عمران بن حصینؓ کہتے ہیں: آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری امت میں بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے پھر ان لوگوں کا جو ان کے بعد ہیں (یعنی تابعین) پھر ان لوگوں کا جو ان کے بعد ہیں (یعنی اتباع التابعین)''۔ عمران کہتے ہیں کہ مجھ کو یاد نہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانے کے بعد دو زمانوں کا ذکر فرمایا یا تین کا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان کے بعد تو پھر ایسے لوگ پیدا ہوں گے جن کی گواہی کوئی نہیں چاہے گا، لیکن وہ خواہ مخواہ گواہی دیں گے اور چوری کریں گے۔ ان پر کوئی بھروسہ نہیں کیا جا سکتا اور وہ منت مانیں گے لیکن منت پوری نہیں کریں گے اور حرام کھا کھا کر خوب موٹے ہوں گے۔''
>
> **(صحیح البخاری، کتاب اصحاب النبی، باب ۱، فضائل اصحاب النبی ﷺ، کتاب الرقاق، باب ۷، ما یحذر من زھرة الدنیا و التنافس فیھا وغیرہ، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب ۵۲، فضل الصحابة، ثم الذین یلونھم، ثم الذین یلونھم، حدیث نمبر ۲۱۴** (چند الفاظ کی تبدیلیوں کے ساتھ) بروایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (چند الفاظ کی تبدیلیوں کے ساتھ) حدیث نمبر ۲۱۰، اور بروایت حضرت ابو ہریرہؓ (چند الفاظ کی تبدیلیوں کے ساتھ) حدیث نمبر ۲۱۳، **سنن الترمذی، کتاب الفتن، باب ۴۵، ما جاء فی القرن الثالث، حدیث نمبر ۲۲۲۱، کتاب الشھادات، باب ۴، حدیث نمبر ۲۳۰۲ وغیرہ، سنن ابن ماجة، کتاب الاحکام، باب ۲۷، کراھیة الشھادة لمن لم یتشھد، حدیث نمبر ۲۳۶۲، مسند احمد ج ۱، ص ۳۷۸، ۴۱۷، ۴۳۴، ۴۳۸، ۴۴۲، ج ۲، ص ۲۲۸، ۴۱۰، ۴۷۹ وغیرہ)**

> حضرت حذیفہ بن یمانؓ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم برائی میں تھے پھر اللہ نے ہمیں بھلائی بخشی۔ اور اب ہم اس بھلائی میں ہیں۔ کیا اب اس بھلائی کے بعد بھی کوئی برائی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں'' میں نے کہا: پھر اس برائی کے بعد کوئی بھلائی بھی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں'' میں نے کہا: کیا اس بھلائی کے بعد پھر برائی بھی ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''ہاں''۔ میں نے کہا: کیسے؟ آپؐ نے فرمایا: ''میرے بعد وہ لوگ امام ہوں گے جو میری ہدایت پر نہ چلیں گے، میری سنت پر عمل نہیں کریں گے اور ان میں ایسے لوگ ہوں گے جن کے دل شیطانوں کے دل ہوں گے اور جسم میں آدمیوں کی طرح ہوں گے۔''
>
> **(صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب ۱۳، وجوب ملازمة جماعة المسلمین عند ظھور الفتن وفی کل حال، حدیث نمبر ۵۲)**

☆☆☆

باب–٦

مسلمانوں کی خونچکاں تاریخ

منافقین

مسلمانوں کے درمیان اٹھنے والے فتنۂ عظیم اور آپس کے خون خرابے کا ایک بہت بڑا سبب مسلمانوں کے درمیان چلے آرہے فتنہ جو اور فتنہ پرور منافقین کا گروہ ہے، جس کا سلسلہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت ہی سے چلا آرہا تھا۔ قرآن کریم میں ایسے لوگوں کی باضابطہ نشان دہی کر کے ایک طرح سے ان سے مسلمانوں کو باخبر بھی کر دیا گیا تھا تاکہ ان سے محتاط رہا جا سکے:

> اور اعرابیوں میں ایسے ایسے لوگ موجود ہیں جو راہ خدا میں کچھ خرچ کرتے ہیں تو اسے اپنے اوپر زبردستی کا جرمانہ سمجھتے ہیں اور تمھارے حق میں زمانہ کی گردشوں کا انتظار کر رہے ہیں (کہ کب موقع ہاتھ آئے اور یہ اس اطاعت سے یکسر منحرف ہو جائیں) حالانکہ بدی کا چکر خود ان ہی پر مسلط ہے اور اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔ (التوبۃ: ۹۸)

ان کے علاوہ خود مدینہ میں منافقوں کی کارستانیوں کا ذکر ہے:

> اگر منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں خرابی ہے اور وہ جو مدینہ میں ہیجان انگیز افواہیں پھیلانے والے ہیں، اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو ہم ان کے خلاف کارروائی کرنے کے لیے تمھیں اٹھا کھڑا کریں گے۔ پھر وہ اس شہر میں مشکل ہی سے تمھارے ساتھ رہ سکیں گے۔ ان پر ہر طرف سے لعنت کی بوچھاڑ ہوگی، جہاں کہیں پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے اور بری طرح مارے جائیں گے۔ یہ اللہ کی سنت ہے جو ایسے لوگوں کے معاملے میں پہلے سے چلی آرہی ہے اور تم اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔ (الاحزاب: ٦٠–٦٢)

اور فتنہ وفساد برپا کرنے والوں میں سے وہ لوگ بھی تھے جن کی آئندہ نسلوں کی طرف آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کرتے ہوئے پیشین گوئی کی تھی۔ مثلاً ---

> جابر بن عبداللہؓ نے کہا: جعرانہ میں ایک شخص آیا جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم حنین سے واپس لوٹے تھے اور حضرت بلالؓ کے کپڑے میں کچھ چاندی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں سے مٹھی میں لے لے کر لوگوں کو دیتے تھے۔ (یہ دیکھ کر) اس شخص نے کہا: عدل کروائے محمدؐ! آپؐ نے فرمایا: ''تم پر افسوس ہے، کون عدل کرے گا اگر میں عدل نہ کروں اور تم تو بڑے بدنصیب اور خسران والے ہو گئے اگر میں عدل نہ کروں۔'' اس پر حضرت عمرؓ نے عرض کیا: مجھے فرمایئے یارسول اللہؐ کہ میں اس منافق کو قتل کر دوں۔ آپؐ نے فرمایا: ''اللہ کی پناہ، لوگ کہیں گے کہ میں اپنے رفیقوں کو مارتا ہوں۔ یہ شخص اور اس کے اصحاب قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا اور قرآن سے یہ ایسا نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے آر پار نکل جاتا ہے۔''
>
> (صحیح مسلم، کتاب الزکوۃ، باب۴۷، ذکر الخوارج وصفاتھم، حدیث نمبر ۱۴۲، سنن ابن ماجۃ، باب ۱۲، في ذکر الخوارج، حدیث نمبر ۱۷۲ (چند الفاظ کے فرق کے ساتھ)۔

فتنۂ ارتداد

چنانچہ آنحضورؐ کے دور حیات میں منافقین، دل کی خرابیوں والے اور مدینے میں ہیجان انگیز افواہیں پھیلانے والے تینوں ہی قسم کے گروہ اللہ تعالیٰ کی مذکورہ سخت دھمکیوں کے نتیجے میں اپنی حرکتوں اور ریشہ دوانیوں کو معطل کر کے زیر زمین ہو گئے۔ اس لیے کہ اس سخت تنبیہ کے بعد اب بھی وہ اپنی مذموم حرکتوں سے باز نہ آتے تو آنحضورؐ کے ہاتھوں ان کا صفایا ہو جاتا۔ لہٰذا زیر زمین ہو کر وہ آنحضورؐ کے رحلت فرمانے کا انتظار کرنے لگے اور زیر زمین رہ کر ہی اپنی منصوبہ سازیوں میں مصروف رہے۔ البتہ جوں ہی آنحضورؐ اس دنیا سے رخصت ہوئے، وہ فوراً سطح زمین پر آ گئے اور اپنی پُرفتن ریشہ دوانیاں شروع کر دیں۔ ہر طرف سے ارتداد کی خبریں موصول ہونی شروع ہو گئیں۔ ہر طرف لوگوں نے بغاوت اور سرکشی شروع کر دی۔ نو مسلم سرکشوں کو مسلیمہ اور طلیحہ وغیرہ جیسے منافقین کذابین نے اپنی طرف جذب کرنے اور مالی عبادات کے علاوہ جسمانی عبادات میں بھی تخفیف کر کے اپنی اپنی نبوت کے منوانے کا موقع پایا۔ اس لیے مرتدین کے بکثرت گروہ بشکل وفود مدینہ میں آئے اور اپنی زکوٰۃ کی ادائیگی کی معافی چاہی۔ لیکن دربارِ خلافت سے ان کی درخواستیں یکسر رد کر دی گئیں اور پھر ان وفود کے اپنے اپنے قبیلوں میں واپس جانے کے بعد تمام

مملکت اسلامیہ میں حضرت ابوبکرؓ کے عزم راسخ کی خبر پھیلتی چلی گئی اور مرتدین اور منکرین زکوٰۃ خلافت راشدہ کے خلاف مقابلے میں سینہ سپر ہوگئے اور معرکہ آرائی کی ٹھان لی۔ چنانچہ صوبوں کے عاملوں نے اپنے صوبوں کے باغیوں اور ان کی حرکتوں اور زکوٰۃ کی عدم وصولیابی کی اطلاعات بھیجنی شروع کردیں۔ ادھر مرتدین جو مدینہ کے نواح میں جمع ہوگئے تھے، مدینے پر حملے کی تیاریاں کررہے تھے۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو مدینہ منورہ کے گرد گشت لگانے اور پہرہ دینے کی ذمہ داری سونپی گئی۔

مقام ابرق میں قبیلہ عبس اور مقام ذی القصہ میں قبیلہ ذبیان کے لوگ مجتمع تھے۔ بنو اسد اور بنو کنانہ کے بھی کچھ لوگ ان میں شامل تھے۔ عبس اور ذبیان کو جب معلوم ہوا کہ مدینہ منورہ میں بہت تھوڑے سے لوگ باقی بچے ہوئے ہیں اور بیشتر لوگوں کو دوسرے علاقوں میں مرتدین کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا گیا ہے اور صدیق اکبرؓ خلیفۃ المسلمین نے زکوٰۃ کی معافی سے صاف انکار کردیا ہے تو وہ متحد ہوکر مدینے پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہوئے۔ ذو القصہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی سربراہی میں ہوئی پانچ چھ گھنٹے کی خون ریز جنگ کے بعد باغی قبائل کو شکست فاش ہوئی اور بکثرت لوگ مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ اسی دوران دشمنوں کی ایک بڑی جمعیت نے دھوکہ دے کر مدینے پر حملہ کردیا اور چند مسلمانوں کو شہید کرکے مال لوٹ کر چل دیے۔ جب ابوبکر صدیقؓ مقام ذی القصہ سے واپس آئے اور یہ خبر سنی تو بہت ہی رنجیدہ ہوئے اور مدینے سے مسلمانوں کی ایک مختصر سی جماعت لے کر ذی خشب اور ذی قصہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مقام ابرق میں عبس، ذبیان، بنوبکر، بنوثعلبہ وغیرہ قبائل مقابلے میں آئے۔ لیکن بالآخر مرتدین شکست کھاکر فرار ہوگئے۔

پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے گیارہ علم تیار کیے اور گیارہ سرداروں کو منتخب کرکے علم ان کے حوالے کیے اور ہر ایک سردار کے ساتھ فوج کا ایک دستہ ہمراہ کرکے مرتدین اور منکرین زکوٰۃ کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔

پہلا علم خالد بن ولید کو دے کر طلیحہ بن خویلد، اسدی اور بطاع میں مالک بن نویرہ کی سرکوبی کے لیے بھیجا گیا۔ دوسرا علم عکرمہ بن ابوجہل کو دے کر یمامہ کی طرف مسلیمہ کذاب پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کیا گیا۔ تیسرا علم شرحبیل بن حسنہ کو دے کر عکرمہ کی مدد کے علاوہ یمامہ، حضرموت کے بنی کندہ اور قضاعہ پر حملے کے لیے حکم ہوا۔ چوتھا علم خالد بن سعید بن العاص کو دے کر ملک شام کی سرحدوں کے تمام قبائل کو درست کرنے کے لیے روانہ کیا گیا۔ پانچواں علم عمر بن العاص کو دے کر بنو قضاعہ کی طرف مرتدین کی سرکوبی کا حکم ہوا۔ چھٹا علم حذیفہ بن محسن کو دے کر عمان کی طرف بھیجا گیا۔ ساتواں علم عرفجہ بن ہرثمہ کو سپرد کرکے اہل مہرہ کی طرف جانے کا حکم دیا گیا۔ آٹھواں علم طریفہ بن عاجز کو دے کر بنوسلیم اور بنی ہوازن کی خبر لینے کے لیے بھیجا گیا۔ نواں علم سوید بن مقرن کو دے کر یمن روانہ کیا گیا۔ دسواں علم علاء بن حضرمی کو بحرین کو درست کرنے کے لیے دیا گیا اور گیارہواں علم مہاجر بن امیہ کو دے کر صنعاء کی طرف بھیجا گیا۔

یہ تفصیلات اس لیے پیش کی گئی ہیں تاکہ اس بات کا اندازہ لگایا جاسکے کہ معاملہ کس قدر سنگین تھا اور چہار اطراف بغاوت وسرکشی، انکار اور ارتداد کے شاخسانے کس قدر وسیع، عمیق اور ہمہ گیر تھے۔ مدینہ، مکہ اور طائف کو چھوڑ کر پوری مملکت اسلامیہ غبار آلود تھی۔ یہ سب کچھ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے رخصت ہوتے ہی اس قدر منظّم طریقے سے اور اتنے بڑے پیمانے پر ہوجانا ممکن ہی نہیں تھا جب تک کہ سالوں قبل منصوبے تیار نہ کیے گئے ہوں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی توفیق اور نصرت شامل حال ہوئی اور صرف ایک سال کی قلیل مدت میں حضرت ابوبکرؓ کی سربراہی میں مسلمان فتنۂ ارتداد و بغاوت پر پوری طرح غالب آگئے۔ مرتدین، مشرکین اور منافقین کو تمام مقامات اور ہر ایک محاذ پر شکست در شکست کا منہ دیکھنا پڑا اور انھیں اپنی خیریت اسی میں نظر آنے لگی کہ ایک بار پھر اپنے آپ کو اس وقت تک کے لیے زیر زمین محفوظ کرلیں جب تک کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ منصب خلافت پر متمکن ہیں، ورنہ صفایا ہوجائے گا ایسا کہ نام ونشان بھی مٹ جائے گا۔ یہ دراصل ان کا مکمل طور پر زیر زمین ہوجانا تھا جس کے نتیجے میں ایسا معلوم ہونے لگا کہ جزیرۃ العرب مشرکین اور مرتدین سے بالکل پاک وصاف ہوگیا ہے۔

پھر جب حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمر فاروقؓ خلیفہ مقرر ہوئے تو ان کا نام ہی سن کر لوگوں نے اسی طرح دبکے رہنے میں اپنی عافیت سمجھی۔ اس لیے کہ ان کے نزدیک حق کے معاملے میں حضرت عمر فاروقؓ حضرت ابوبکرؓ کے مقابلے میں زیادہ سخت گیر تھے۔ چنانچہ انھیں زیادہ سخت حالات کا خوف دامن گیر رہا۔ اور انھوں نے اسی میں اپنی عافیت سمجھی کہ حضرت عمر فاروقؓ کی حیات تک زمین دوز ہی رہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ سے متعلق وہ حدیث اس بات کا بین ثبوت ہے

جس میں کہا گیا ہے:

> شقیق نے کہا: میں نے حذیفہ سے سنا۔ وہ کہتے ہیں: ایک بار ایسا ہوا کہ ہم حضرت عمرؓ کے پاس بیٹھے تھے۔ اتنے میں انھوں نے پوچھا: فتنے کے تعلق سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث تم میں سے کس کو یاد ہے۔ حذیفہؓ نے کہا: اس فتنے کے باب میں جو آدمی کو اس کے گھر بار، مال، اولاد میں پیدا کرتا ہے، ایسے فتنے کا کفارہ نماز ہے اور صدقہ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: میں یہ فتنے نہیں پوچھتا ہوں بلکہ اس فتنے کو پوچھتا ہوں جو سمندر کی موجوں کی طرح اُمڈ آئے گا۔ حذیفہؓ نے کہا: اس فتنے سے آپ کو کوئی ڈر نہیں ہے۔ امیر المؤمنین! آپ اور اس فتنے کے درمیان ایک بند دروازہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا: یہ دروازہ توڑ ڈالا جائے گا یا کھولا جائے گا۔ حذیفہؓ نے کہا: توڑ ڈالا جائے گا۔ حضرت عمرؓ نے کہا: پھر تو وہ دروازہ بند نہ ہوگا۔ حذیفہؓ نے کہا: جی ہاں! شقیق نے کہا: ہم نے حذیفہؓ سے پوچھا: کیا حضرت عمرؓ اس دروازے کو جانتے تھے؟ انھوں نے کہا: ایسا یقین کے ساتھ جانتے تھے جیسے یہ بات کہ آج کی رات کل کے دن سے قبل ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں نے ان سے ایک حدیث بیان کی تھی جو محض کچھ خیالی بات نہ تھی۔ شقیق کہتے ہیں کہ ہم حذیفہؓ سے یہ پوچھنے سے ڈرے کہ دروازہ کون تھا۔ ہم نے مسروق سے کہا: تم تو پوچھ لو۔ انھوں نے پوچھا، حذیفہؓ نے کہا: وہ دروازہ خود حضرت عمرؓ تھے۔
>
> (صحیح البخاری، کتاب الفتن، باب ۱۸، الفتنة التی تموج کموج البحر، صحیح مسلم، کتاب الفتن و اشراط الساعة، باب ۷ باب في فتنة التی تموج کموج البحر، حدیث ۲۶، سنن الترمذی، کتاب الفتن، باب ۱۷، حدیث نمبر ۲۲۵۸، سنن ابن ماجة، کتاب الفتن، باب ۹، ما یکون من الفتن، حدیث ۳۹۵۵)

چنانچہ عمر فاروقؓ کی شہادت سے ہی وہ بند دروازہ ٹوٹ گیا اور دشمنان اسلام کے ان خفیہ گروہوں اور ان کی خفیہ سازشوں کا ایک لامتناہی سلسلہ انتہائی شد و مد کے ساتھ شروع ہو گیا، جس کے نتیجے میں مذکورہ چلے آ رہے منافقین، شر پسند اور فتنہ پرور جماعتوں نے اسلام کو نقصان پہنچانے اور مسلمانوں کو اختلاف و انتشار میں مبتلا کر دینے کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرنے شروع کر دیے۔ مزید برآں فرقہ سبائیہ اور اس کی ساختہ پرداختہ ٹولیوں اور جماعتوں نے چہار اطراف سے مختلف قسم کے اختلاف و افتراق کی بنیادیں ڈال دیں اور مسلمانوں کو آئے دن نئے نئے خانوں میں بانٹتے چلے گئے، ان میں باطل اور فاسد عقائد کا یلغار کر دیا گیا۔ طرح طرح کے افکار و نظریات پیش کیے جانے لگے۔ ان میں سے ہر ایک باطل اور فاسد عقیدے نے عام مسلمانوں میں سے اپنا اپنا حصہ لینا شروع کر دیا، یہاں تک کہ ان میں سے آج بھی بہت ساری جماعتیں ان باطل و فاسد عقیدوں اور منکر افکار و نظریات کو ڈھوتی چلی آ رہی ہیں۔

فرقۂ سبائیہ نے کبھی عباسیوں اور علویوں کے لیے بنو امیہ کے خلاف سازشیں کیں اور کبھی عباسیوں کے خلاف علویوں کے لیے۔ اسی کے نتیجے میں کبھی خوارجیہ نے قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا اور کبھی فدائی اسماعیلیہ نے۔

عبداللہ ابن سبا

عبداللہ ابن سبا جو ابن سودا کے نام سے بھی معروف تھا، شہر صنعا کا رہنے والا ایک یہودی تھا۔ اس کا خاندان یہودیوں کے درمیان ایک خاص مقام رکھتا تھا۔ عبداللہ ابن سبا حضرت عثمان غنیؓ کے عہدِ خلافت میں مدینہ آیا اور بظاہر مسلمان ہو گیا۔ وہ مدینے میں رہ کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازش کے منصوبے بنا رہا تھا کہ اپنے اس منصوبے کو عملی شکل دینے کے لیے اسے حکیم بن جبلہ ڈاکو کی شکل میں ایک بڑا اسہارا نظر آیا۔ اس نے اس ڈاکو سے جسے بصرہ میں نظر بند رکھا گیا تھا تعلق پیدا کیا اور اس کے یہاں رہ کر اس سے، اس کے دوستوں اور دوسرے لوگوں سے مراسم پیدا کر کے فساد انگیز خیالات و عقائد پھیلانے لگا۔ کبھی کہتا کہ مجھ کو تعجب ہوتا ہے کہ مسلمان اس بات کے تو قائل ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ دوبارہ دنیا میں آئیں گے لیکن اس بات کو نہیں مانتے کہ حضرت محمدؐ بھی دنیا میں ضرور آئیں گے۔ اور کبھی وہ کہتا کہ ہر نبی کا ایک خلیفہ اور وصی ہوا کرتا ہے۔ وہ مثال دیتا کہ یوشع بن نون حضرت موسیٰؑ کے وصی تھے۔ چنانچہ محمدؐ کے بھی وصی ہیں اور وہ حضرت علیؓ ہیں۔ اور جس طرح آنحضورؐ خاتم الانبیاء ہیں اسی طرح حضرت علیؓ خاتم الاوصیاء ہیں۔

پھر اس نے علانیہ کہنا شروع کر دیا کہ لوگوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علیؓ کے عوض دوسروں کو خلیفہ بنا کر بڑی غلطی اور حضرت علیؓ کے حق میں حق تلفی کی ہے۔ اب سبھوں کو چاہیے کہ وہ حضرت علیؓ کی مدد کریں اور موجودہ خلیفہ حضرت عثمانؓ کو قتل کر دیں یا انھیں معزول کر کے حضرت علیؓ کو خلیفہ بنا دیں۔

اس کے ساتھ دوسری طرف اس نے اپنی بدعقیدگیوں کو بھی مشتہر کرنا شروع کر دیا جو اس نے مسلمانوں کے ایمان و کردار کو بگاڑنے کے لیے وضع کر رکھی تھیں۔ جب اس پر انگلیاں اٹھنے

لگیں تو اس نے اپنے شاگردوں اور ہم نواؤں کے ایک گروہ کو اپنے کاموں کی ذمہ داری سونپ کر بصرہ سے کوفہ کا رخ کیا۔ یہاں اسے اپنی شرارتوں کے جال پھیلانے کے اور بھی بہتر مواقع حاصل ہوئے۔ اس لیے کہ عبداللہ ابن سبا جیسے شرانگیز اور فتنہ پرور اشخاص کے لیے کوفہ بہت ہی سازگار مقام تھا۔ چنانچہ اس نے بہت جلد اپنے زہد و اتقاء کا سکہ لوگوں کے دلوں پر بٹھانے میں کامیابی حاصل کرلی۔ اس طرح اسے پوری طرح کھل کھیلنے کا موقع ہاتھ آگیا۔ اس نے کوفے میں ایک زبردست جماعت تیار کرلی، جس میں مالک بن اشتر وغیرہ جیسے لوگ شامل تھے۔ پھر اس نے شام میں بھی ایک خفیہ سوسائٹی کا مکمل نظم مرتب کیا اور بطور حکمت عملی محبت اہل بیت اور حمایت علی کو اپنا شعار بنایا۔ اسی طرح مصر میں بھی اس نے اپنی تنظیم قائم کرلی اور خفیہ طور سے بصرہ، کوفہ، شام اور مصر کی جماعت کے لوگوں سے خط و کتابت ہوتی رہی اور منصوبہ بند طریقے پر مختلف قسم کی ریشہ دوانیوں کا سلسلہ تیز سے تیز تر ہوتا گیا، حتی کہ مملکت اسلامیہ میں ہر طرف افراتفری کا ماحول پیدا کردیا۔ ہر جگہ شورشیں برپا ہونے لگیں۔ اصحاب حل وعقد اور امیر المؤمنین نے ہر طرح سے غور و فکر کرکے ان کے شورشوں اور ہنگاموں کو دبانے اور فتنہ و فساد کو رفع کرنے کی کوششیں کیں لیکن عبداللہ ابن سبا اور اس کی ساختہ پرداختہ ٹولیوں اور گروہوں کا مرتب کردہ نقشۂ کار بڑی تیز رفتاری سے اپنا رنگ لا رہا تھا اور بڑی تعداد میں لوگوں کو اپنا ہم نوا بناتا جارہا تھا۔ بالآخر حج کے بہانے مختلف علاقوں سے فسادیوں کی ایک وافر تعداد منصوبہ بندی کے ساتھ مدینہ میں جمع ہوگئی یہاں تک کہ وہ مدینہ پر پوری طرح حاوی اور قابض ہوگئے اور اصلاً حکمرانی سبائیوں کے ہاتھوں میں مرکوز ہوگئی۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ خود خلیفۃ المسلمین بھی اپنے گھر میں قیدی تھے۔ انھیں نماز کے لیے مسجد تک جانے کی اجازت نہ تھی اور بالآخر حضرت عثمان غنیؓ خلیفۃ المسلمین کو انھوں نے نہایت ہی بے دردی سے شہید کردیا۔ اسی کے ساتھ پورے شہر کے لوگ اور خود حضرت عثمان غنیؓ کے خویش و اقارب اس قدر بے دست و پا کر کے رکھ دیے گئے تھے کہ وہ چاہتے ہوئے بھی کچھ بھی نہ کرسکے۔

حضرت عثمان غنیؓ کا قتل ایک شخص کا قتل نہ تھا اور نہ ہی صرف امیر المؤمنین کا قتل تھا بلکہ اس نظام حق کا گلا گھونٹنا تھا جسے قائم اور نافذ کرنے کے لیے آنحضورؐ کو مبعوث فرمایا گیا تھا اور جسے انؐ کے مبارک ہاتھوں تیئس (۲۳) سالوں کے عرصے کی عظیم ترین قربانیوں اور کوششوں کے نتیجے میں استوار کیا گیا تھا اور جس کا قیام واستحکام مسلمانوں کا واحد مقصد زندگی تھا، اس لیے کہ اس کے قیام واستحکام کی کوششوں سے ہی وہ محبت و رضائے الٰہی کے امیدوار ہوسکتے تھے۔ اسی کے حصول کے لیے وہ آپس میں بھائی بھائی تھے، ایک دوسرے کے ہم دم اور ہم قدم تھے، ایک دوسرے کے رفیق، غم گسار اور دم ساز تھے، ایک شخص کے زخم کی ٹیس پوری امت کے لیے باعث درد و کرب تھی۔ اور اب حال یہ ہوگیا کہ بنو ہاشم اور بنو امیہ دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے تھے اور بکثرت دوسرے قبائل بھی دونوں میں سے کسی نہ کسی ایک کے ساتھ وابستہ ہوتے چلے گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آپس میں کشت وخون کا وہ بازار گرم ہوا کہ نسل در نسل صدیوں اس کا سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ ان کی حیثیت ہی معدوم ہوکر رہ گئی اور ان کے درمیان اختلافات کا سلسلہ روز افزوں دراز سے دراز تر ہوتا چلا گیا۔ یہ آپس میں ایک دوسرے سے دور ہوتے چلے گئے بلکہ ان میں شگاف در شگاف کا عمل شروع ہوگیا۔ طرح طرح کے افکار و نظریات جنم لینے لگے اور ہر ایک فکر و عقیدہ نے اپنی الگ الگ ٹولیاں وضع کرنی شروع کردیں، مذاہب و مسالک کا سیلاب امڈ آنے لگا اور پھر سے لوگ قبائلی، علاقائی، مسلکی اور مذہبی غرض کہ طرح طرح کی عصبیتوں کے شکار ہوتے چلے گئے اور ہر ایک نسل و علاقہ اور ملک و مذہب کے لوگ ایک دوسرے کے ساتھ گتھم گتھا ہوگئے، جن کے سلسلے تاہنوز نہ صرف جاری ہیں بلکہ ہر ایک آن ایک نئی جمعیت کا اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے۔ **فَتَقَطَّعُوٓا اَمۡرَهُمۡ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزۡبٍۢ بِمَا لَدَيۡهِمۡ فَرِحُوۡنَ** ○(المؤمنون : ۵۳) ’’پھر بعد میں لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کرلیا۔ ہر گروہ کے پاس جو کچھ ہے اسی میں وہ مگن ہے۔‘‘

مسلمانوں کے درمیان صرف عبداللہ ابن سبا اور اس کے متبعین اور متوسلین سبائی فرقے ہی شر و فساد اور بدکرداری کا سبب نہیں بلکہ ان کے علاوہ دوسرے مذموم اور ناپاک عناصر بھی ان کے اندر گھس آئے تھے۔ انھوں نے اپنے مذموم اور ناپاک عزائم کی تکمیل کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کیے۔ وہ مسلمانوں میں کفر، شرک، الحاد اور دہریت پھیلانے میں پیش پیش تھے۔ ان کے شر و فساد کی یہ انتہا تھی جس کی بنا پر حضرت علیؓ اپنے زمانۂ خلافت میں انھیں جلا ڈالنے پر مجبور ہوئے تھے۔ بخاری شریف کی حدیث ہے:

> حضرت عکرمہ سے روایت ہے۔ انھوں نے کہا: حضرت علیؓ کے پاس کچھ زنادقہ لائے گئے، آپؓ نے انھیں جلوادیا۔
>
> (صحیح البخاری ، کتاب استتابة المرتدین و المعاندین ، باب ۲، حکم المرتد و المرتدة)
>
> حضرت ابوسعید خدریؓ نے کہا: حضرت علیؓ نے یمن سے کچھ سونا جو مٹی میں ملا ہوا تھا، رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے چار آدمیوں میں تقسیم کیا۔ اقرع بن حابس حنظلی اور عیینہ بن بدر فزاری اور علقمہ بن علاثہ عامری اور ایک شخص بنی کلاب سے زید خیر طائی۔ پھر ایک شخص نے جو بنی نبہان سے تھا کہا۔ اس پر قریش بہت جلے اور کہنے لگے: آپؐ نجد کے سرداروں کو دیتے ہیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں ایسا اس لیے کرتا ہوں کہ ان کی تالیف قلب ہو''۔ اتنے میں ایک شخص آیا، اس کی داڑھی گھنی تھی، گال پھولے ہوئے تھے، آنکھیں دھنسی ہوئی تھیں، ماتھا اونچا تھا اور سر منڈا ہوا تھا۔ اس نے آکر کہا: اے محمدؐ! اللہ سے ڈر، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر میں نافرمانی کروں گا تو پھر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کون کرے گا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے زمین والوں پر امانت دار مقرر کیا ہے اور تم لوگ امانت دار کو نہیں جانتے۔'' انھوں نے کہا کہ پھر وہ شخص پیٹھ پھیر کر چلا گیا تو لوگوں میں سے ایک شخص نے اسے قتل کی اجازت مانگی۔ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ حضرت خالد بن ولیدؓ تھے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک اس کی اصل میں سے ایک قوم ہے کہ وہ لوگ قرآن پڑھتے ہیں اور قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترتا اور اہل اسلام کو قتل کرتے ہیں اور بت پرستوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اسلام سے ایسا نکل جاتے ہیں جیسے تیر شکار سے آر پار نکل جاتا ہے۔ اگر میں ان کو پاتا تو ایسا قتل کرتا جیسے عاد قتل ہوئے ہیں۔''

(صحیح البخاری، کتاب التوحید باب ۲۳، قول اللہ تعالیٰ تعرج الملائکة والروح الیه، صحیح مسلم، کتاب الزکوة، باب ۴۷، ذکر الخوارج وصفاتهم، حدیث ۱۴۳، سنن ابی داؤد، کتاب السنة، باب ۲۸، في قتال الخوارج، حدیث ۴۷۶۴ (چند الفاظ کے فرق کے ساتھ) سنن النسائی، کتاب الزکٰوة، باب ۷۹، المؤلفة قلوبهم، حدیث نمبر ۲۵۷۶، مسند احمد، ج۳، ص ۷۳)

تاریخ نے ان میں سے بہت سارے فرقوں اور ان کے ذیلی فرقوں اور ان کے عقائد و نظریات کی نشان دہی کی ہے۔ مثلاً --- خوارج، شیعہ، رافضی، مرجئہ، معتزلہ، قدریہ، قرامطہ، صوفیہ وغیرہ۔ ان میں سے چند فرقوں اور ان کے عقائد و افکار کا مختصراً ذکر کیا جاتا ہے تاکہ امت مسلمہ کی نظامِ حق سے دوری اور دین اسلام سے بیزاری کی صحیح صورت حال کا اندازہ لگایا جا سکے۔

☆☆☆

باب—۷

مختلف فرقہ جات

خوارج

ملت کے سوادِ اعظم سے خارج ہونے والے بہت سارے فرقے خوارج کے نام سے وجود میں آگئے۔ یہ تمام فرقے امیر المؤمنین حضرت علیؓ کو کافر گرداننے میں مشترک تھے۔ اس جسارت کی ان کے پاس دلیل یہ تھی کہ حضرت علیؓ نے ابوموسیٰ اشعریؓ اور عمرو بن عاص کو لوگوں کے درمیان مصالحت کے لئے اور اپنے اور معاویہ کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے حکم مقرر فرمایا تھا جو ان کے نزدیک کافرانہ فعل تھا، ایسا کافرانہ فعل جو لائق گردن زدنی تھا۔ اس طرح اس بہانے خوارج نے حضرت علیؓ کے ساتھ ساتھ عام مسلمانوں کا خون حلال کر رکھا تھا۔ اس کے علاوہ ان تمام فرقوں میں عقائد و اعمال کے لحاظ سے آپس میں جزوی اختلافات بھی پائے جاتے تھے۔ ان میں ایک فرقہ نجدات کا عقیدہ یہ تھا کہ کوئی شخص ایک بار بھی جھوٹ بولے یا صغیرہ گناہ کا مرتکب ہو تو وہ مشرک ہے، لیکن اگر وہ زنا کرے، چوری کا مرتکب ہو یا شراب پیئے مگر ان پر اصرار نہ کرے تو وہ مسلمان ہے۔ ان کے مطابق قرآن کا جان لینا کافی ہے کسی امام یعنی خلیفہ یا امیر کی ضرورت نہیں ہے۔ ازارقہ کا عقیدہ تھا کہ ہر ایک کبیرہ گناہ بھی کفر ہے اور اس کا مرتکب کافر ہو جاتا ہے۔ ان کے مطابق ابوموسیٰ اشعریؓ اور عمر بن عاص کافر ہو گئے تھے۔ ان کے نزدیک مشرکوں کے لڑکے کو مار ڈالنا جائز تھا۔ شمراخیہ کا عقیدہ یہ تھا کہ ماں باپ کو مار ڈالنا جائز ہے۔ اسی طرح فطریکہ، اسودیہ، عجاردہ، جاریہ، معلومیہ، مجہولیہ، صلتیہ، اخنسیہ، اباضیہ، بنسلیہ وغیرہ بھی مختلف قسم کے خود ساختہ عقائد کے حامل رہے، ان کی ترویج و اشاعت کی کوششیں کرتے رہے اور قتل و غارت گری کو اپنا نصب العین بنا لیا۔

شیعہ جات

شروع میں شیعان حضرت علیؓ اور شیعان امیر معاویہ، دوگروہ وجود میں آئے۔ لیکن پھر شیعان علی کا نام باقی رہ گیا اور شیعان امیر معاویہ کا نام معدوم ہوگیا۔ اس طرح جب شیعان علی ہی رہ گئے تو رفتہ رفتہ صرف شیعہ لفظ ہی مستعمل ہوگیا۔ شیعہ کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض کو شیعہ، بعض کو رافضی، بعض کو غالی اور بعض کو طیارہ کہتے ہیں۔ شیعہ کو شیعہ اس لئے بھی کہتے ہیں کہ یہ چند ایک کو چھوڑ کر باقی صحابہ کو نہیں مانتے ہیں، حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کو تسلیم نہیں کرتے ہیں یہاں تک کہ زید بن علی کو بھی نہیں مانتے کیوں کہ انہوں نے حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کی خلافت کو قبول کرلیا تھا اور انہیں امام یعنی خلیفہ تسلیم کرلیا تھا۔ بعض کے خیال کے مطابق شیعہ وہ ہے جو حضرت عثمان غنیؓ کو حضرت علیؓ پر ترجیح نہیں دیتا اور رافضی وہ ہے، جو حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ پر ترجیح دیتا ہے۔ غالی شیعہ وہ ہے جو حضرت علیؓ کی شان میں بہت ہی مبالغہ آمیزی کرتا ہے۔ یہ لوگ حضرت علیؓ کے حق میں وہ صفات منسوب کرتے ہیں جو صرف اللہ اور اس کے رسولؐ کے لائق ہیں۔

غالی شیعہ کے تین فرقے وجود میں آئے غالیہ، زیدیہ اور رافضیہ۔ پھر غالیہ سے بھی متعدد فرقے بن گئے۔ مثلاً نبّانیہ، طیارہ، منصوریہ، مغیریہ، خطابیہ، معمریہ، بزیعیہ، مفضلیہ، متناسخہ، شریعیہ، سبائیہ، فوضیہ وغیرہ۔ زیدیہ سے کئی فرقے بنے۔ مثلاً جارودیہ، سلیمانیہ، تبریہ، نعیمیہ، یعقوبیہ، تناسخیہ (جو ہندوؤں کے عقیدۂ تناسخ کو مانتا ہے اور دوبارہ دنیا میں آنے کا قائل ہے)۔ یہ سارے فرقے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمان غنیؓ سے بیزار ہیں۔ اسی طرح رافضیہ کے بھی کئی فرقے ہیں۔ مثلاً قطعیہ، کیسانیہ، کریبیہ، عمیریہ، محمدیہ، حسینیہ، نادسیہ، اسمعیلیہ، قرامضیہ، مبارکیہ، شمیطیہ، عماریہ، مخطوریہ، موسویہ، امامیہ، وغیرہ۔ رافضیوں کے سارے فرقے اس بات پر متفق ہیں کہ امامت کا ثبوت عقل سے ہے، جتنے بھی امام ہیں وہ سب غلطیوں سے پاک ہیں۔ حضرت علیؓ کو تمام صحابہ پر ترجیح دینے میں بھی سبھی متفق ہیں۔ زیدیہ کے سوا سبھی فرقے اس بات پر اتفاق رکھتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت پر حضرت علیؓ کا حق تھا مگر ایسا نہیں کیا گیا۔ اس طرح پوری ملت اسلامیہ خلافت حضرت علیؓ کو نہ دے کر اور اس کے برخلاف حضرت ابوبکرؓ عمرؓ اور عثمانؓ کو دے کر مرتد ہوگئی۔ البتہ ان میں سے صرف چھ اشخاص کو وہ مرتدین میں شامل نہیں کرتے ہیں وہ چھ افراد ہیں--- حضرت علیؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ حضرت مقداد بن اسودؓ، سلمان فارسیؓ اور دوسرے دو۔

غالی فرقے کا عقیدہ ہے کہ حضرت علیؓ سب پیغمبروں سے افضل اور بہتر ہیں۔ وہ دوسرے صحابہ کی طرح زمین میں دفن نہیں ہوئے بلکہ بادلوں میں ہیں۔ وہیں سے اپنے دشمنوں سے جنگ کرتے ہیں۔ آخری زمانے میں زمین پر اپنے تمام دشمنوں اور اپنے ساتھ بغض رکھنے والوں کو قتل کردیں گے۔ اسی کے ساتھ دوسرے اماموں کے تعلق سے بھی ان کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ معصوم ہیں اور انہیں موت نہیں آتی ہے بلکہ وہ قیامت تک زندہ رہیں گے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ حضرت علیؓ ہی اصل میں رسول ہیں۔ حضرت جبریلؑ حضرت علیؓ پر وحی کرنا بھول گئے۔ یہی نہیں بلکہ وہ حضرت علیؓ کو خدا بھی کہتے ہیں۔ ان میں سے ایک فرقہ نبّانیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شکل وصورت انسان جیسی ہے۔ طیاریہ فرقہ عقیدۂ تناسخ کا قائل ہے۔ وہ لوگ کہتے ہیں کہ آدمؑ کی روح خدا ہی کی روح ہے۔ خود خدا تعالیٰ حضرت آدمؑ کے قالب میں اتر آیا۔ بار بار کا جنم ان کے عقیدے کا اہم جزو ہے۔ منصوریہ فرقے کا عقیدہ یہ ہے کہ ابی منصور آسمان پر گیا تھا اور خدا نے اس کے سر کو مس کیا تھا۔ ان کے عقیدوں میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے سب سے پہلے آدمی حضرت عیسیٰ ہیں اور ان کے بعد حضرت علیؓ پیدا ہوئے۔ ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ رسالت ختم نہیں ہوئی ہے۔ جنت اور دوزخ ان کے نزدیک کچھ بھی نہیں ہے۔ خطابیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ امام نبی اور امین ہوتا ہے۔ ہر زمانے میں دو پیغمبر ضرور ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک بولتا ہے اور دوسرا خاموش رہتا ہے۔ چنانچہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بولنے والے پیغمبر تھے اور حضرت علیؓ چپ رہنے والے پیغمبر۔ فرقہ بزیعیہ کا عقیدہ ہے کہ حضرت جعفر خدا ہیں اور اللہ تعالیٰ کی شکل وصورت حضرت جعفر کی سی ہے۔ جعفر پر وحی نازل ہوتی تھی۔ وہ فرشتوں کے پاس چلے جایا کرتے تھے۔ مفضلیہ فرقے کے لوگ اپنے آپ کو پیغمبر گردانتے ہیں۔ فرقہ شریعیہ کا اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ پانچ آدمیوں کی صورت میں اترا۔ وہ پانچ نام ہیں۔ حضرت محمدؐ، حضرت عباسؓ حضرت علیؓ، حضرت جعفر اور حضرت عقیل۔ فرقہ سبائیہ کا عقیدہ ہے کہ حضرت علیؓ نے وفات نہیں پائی ہے۔ قیامت سے قبل وہ دوبارہ دنیا میں آئیں گے۔ فرقہ مفوضیہ کا عقیدہ کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں سے متعلق تدبیریں اماموں کے سپرد کررکھی ہیں۔ محمدؐ کو اللہ تعالیٰ نے عالم کی پیدائش اور اس کی تدبیر کی قدرت دی ہے۔ دنیا کی کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ نہیں ہے۔ وہ حضرت علیؓ کے بارے میں بھی یہی کہتے ہیں کہ عالم کی پیدائش کا کام اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؓ کے سپرد کیا تھا۔ جب یہ لوگ بادلوں کو دیکھتے ہیں تو حضرت علیؓ پر سلام بھیجتے ہیں کیوں کہ ان کا عقیدہ کہ حضرت علیؓ بادلوں میں رہتے ہیں۔

فرقہ زیدیہ حضرت زید بن علی کے قول کی تائید کرتا ہے، جیسا کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ زید بن علی نے حضرت عمرؓ کی خلافت کو جو برحق سمجھا وہ درست ہے۔ فرقۂ جارودیہ کے لوگ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ آنحضورؐ کے وصی ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ امام حسینؓ تک ہی امامت تھی۔ اس کے بعد کوئی امام نہیں ہے۔ فرقہ سلیمانیہ کے لوگ حضرت علیؓ کو امام برحق مانتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ابوبکر صدیقؓ کی بیعت ناروا تھی۔ اور ان سے بیعت کرنے والے لوگ خطا کار ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ امت نے صلاح چھوڑ کر خطا کی۔ تبرّیہ فرقے کو حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت میں شک ہے۔ نعیمیہ فرقے کے لوگ حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت کے منکر ہیں۔

رافضیوں کے ذیلی فرقہ یعقوبیہ کے لوگ تناسخ پر عقیدہ رکھتے ہیں اور دنیا میں دوبارہ آنے کے قائل ہیں۔ فرقہ قطعیہ کا عقیدہ ہے کہ امامت کا سلسلہ حضرت محمد بن حنفیہ تک پہنچا ہے۔ وہ ہمیشہ کے امام ہیں۔ چنانچہ لوگ ان کے ظہور کے منتظر ہیں۔ عمیریہ فرقے کا عقیدہ ہے کہ جب تک امام مہدی کا ظہور نہیں ہو جاتا عمیر ہمارا امام ہے۔ فرقہ محمدیہ، محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسین کو امامت کا مستحق قرار دیتا ہے۔ حسینیہ فرقے کے لوگ حسین بن منصور کو امام گردانتے ہیں۔ نادسیہ فرقے کے لوگ جعفر صادق کو امام برحق مانتے ہیں۔ وہ ان کی وفات کے قائل نہیں ہیں، بلکہ ان کے مطابق وہ زندہ ہیں اور مہدی آخر الزماں وہی ہیں۔ اسماعیلیہ فرقے کے لوگ امام جعفر صادق کو متوفی تسلیم کرتے ہیں اور ان کی جگہ ان کے بعد امام اسماعیل کو مانتے ہیں جو مہدی آخر الزماں ہیں اور ملک کے مالک۔ مبارکیہ فرقے کے لوگوں کے عقیدے کے مطابق محمد بن اسماعیل زندہ نہیں ہیں بلکہ وفات پا چکے ہیں۔ البتہ ان کے بعد امامت ان ہی کی اولاد میں چلی آ رہی ہے۔ مخطوریہ فرقے کے عقیدے کے مطابق حضرت موسیٰ کاظم زندہ ہیں اور اسے کبھی بھی موت نہیں آئے گی اور وہی مہدی آخر الزماں ہوں گے۔ موسویہ فرقے کا بھی قریب قریب یہی عقیدہ ہے۔ امامیہ فرقے کے عقیدے کے مطابق امامت کے مستحق محمد بن حسن عسکری ہیں۔ وہی مہدی آخر الزماں ہوں گے۔ ظلم سے بھری ہوئی زمین کو پھر سے عدل سے بھر دیں گے۔

شیعہ میں سے ایک فرقہ باطنیہ بھی تھا جس کا رہنما حسن بن صباح تھا۔ اس فرقے کے لوگوں کے عقیدے کے مطابق ہر شرعی امر کے دو معنی ہوتے ہیں۔ ایک ظاہری معنی اور دوسرا باطنی معنی۔ یہ لوگ اپنے مخالفین کو فریب دے کر قتل کرنا جائز سمجھتے تھے۔ یہ حشیش (بھنگ) پیا کرتے ہیں۔

رافضیوں کے تمام فرقوں کے وہ تمام عقائد و افکار جن میں آپس میں ان کے اندر اشتراک پایا جاتا ہے یہودیوں سے مستعار ہیں۔ لہٰذا محض عقائد و نظریات اور افکار و خیالات ہی میں نہیں بلکہ کافی حد تک ان کے اعمال و کردار میں بھی یہودیوں سے مماثلت اور موافقت پائی جاتی ہے۔ امام شعبیؒ کے مطابق رافضیوں کی محبت یہودیوں کی محبت ہے۔ یہودیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت داؤدؑ کی اولاد کے سوا کوئی اور امامت کے لائق نہیں ہے۔ اسی طرح رافضیوں کا کہنا ہے کہ آنحضورؐ کی اولاد کے سوا کوئی اور امامت کے لائق نہیں ہے۔ یہ یہودیوں ہی کی طرح نماز مغرب بہت ہی تاخیر سے پڑھتے ہیں۔ یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ ان کے لئے ہر مسلمان کا خون حلال ہے۔ رافضی بھی ہر مسلمان کا خون حلال مانتے ہیں۔ یہودیوں نے تورات میں ردوبدل کیا۔ رافضیوں نے بھی قرآن کے ساتھ ایسا ہی کیا۔ یہودی جبریلؑ سے عداوت رکھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ فرشتوں میں سے وہی ہمارا دشمن ہے اس لئے کہ انہوں نے وحی بجائے کسی یہودی کے بنی اسماعیل میں لے گئے۔ اسی طرح رافضی بھی یہی کہتے ہیں کہ جبریلؑ وحی نازل کرنے میں غلطی کر گئے۔ دراصل وحی حضرت علیؓ کو پہنچانی تھی، مگر غلطی سے وہ محمدؐ کو پہنچا گئے وغیرہ۔

مرجئہ

مرجئہ کے تمام فرقوں کا یہ مشترک عقیدہ ہے کہ جو ایک مرتبہ کلمہ **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** پڑھ لے، پھر وہ چاہے ساری عمر گناہ کرتا رہے، دوزخ میں نہیں ڈالا جائے گا۔ ان کے عقیدے کے مطابق ایمان صرف ایک قول ہے جس میں عمل اور شریعت داخل نہیں ہیں، وہ قول صرف کلمہ توحید کہنا ہے۔ ان کے ذیلی فرقوں میں سے جہمیہ فرقے کے لوگ قرآن کو مخلوق کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تمام صفتوں کے منکر ہیں۔ صالحیہ فرقہ کا عقیدہ ہے کہ صرف ایمان لانا ہی عبادت ہے، الگ سے عبادت کوئی چیز نہیں ہے۔ فرقہ یونسیہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کو عاجزی سے پہچاننے اور اسے دوست رکھنے کو ایمان کہتے ہیں اور ان دو چیزوں میں سے کوئی شخص ایک چیز کو بھی چھوڑ دے تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔ فرقہ یونانیہ کے لوگ عقل کو حاکم مانتے ہیں۔ فرقہ کرامیہ کے لوگوں کا عقیدہ کہ صرف زبان سے کلمۂ شہادت کہہ دینا کافی ہے۔ ان کا دل سے ماننا ضروری نہیں ہے۔ ان کے مطابق منافق مسلمان ہی ہوتے ہیں۔

معتزلہ

اسی طرح معتزلہ کو معتزلہ اس لئے کہتے ہیں کہ انھوں نے حق سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور مسلمانوں کے مسلمہ عقائد ترک کر دیئے۔ واصل بن عطاء کہتا تھا کہ کبیرہ گناہ کرنے والا نہ کافر ہے نہ مومن۔ چنانچہ اس بنا پر اس کا نام معتزلہ ہوا۔ بعض نے ان فرقوں کے اس نام کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ یہ لوگ حسن بصری (مشہور تابعی) کی مجلس سے علاحدہ ہو گئے تھے، چنانچہ حسن بصری نے انہیں معتزلہ کہا۔ اس وقت سے ان کا یہی نام پڑ گیا۔ یہ لوگ عمر بن عبید کے پیرو ہیں۔ معتزلہ میں بھی کئی فرقے ہوئے۔ مثلاً۔ ہذلیہ، نظامیہ، معمریہ، جبائیہ، کعبیہ، بہشمیہ، جہمیہ، ضراریہ، نجاریہ، کلابیہ، سالمیہ، مشبہیہ، اور اس کے ذیلی فرقے۔ ہشامیہ، مقاتلیہ اور واسمیہ وغیرہ۔

قدریہ

فرقۂ قدریہ کو قدریہ اس لیے کہا گیا کہ ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر کا بندوں کے گناہوں سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ اسی طرح نصیریہ، تقصیریہ، اسیریہ وغیرہ فرقوں نے اپنے اپنے عقائد و افکار وضع کئے اور سواد اعظم سے علاحدہ ہوتے چلے گئے۔

قرامطہ

عباسی خلیفہ معتمد علی اللہ بن متوکل بن معتصم باللہ بن ہارون الرشید (خلافت ۲۵۶ھ تا ۲۷۹ھ) کے دور خلافت میں فرقہ قرامطہ کا ظہور ہوا۔ ۲۷۸ھ میں سرزمین کوفہ میں ایک شخص حمدان عرف قرامطہ نے اس مذہب کی بنیاد ڈالی۔ وہ ایک غالی شیعہ تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ امام صرف سات ہیں----- امام حسین، علی بن زین العابدین، باقر بن علی، جعفر صادق، اسماعیل بن جعفر، محمد بن اسماعیل، اور عبید اللہ بن محمد۔ اپنے آپ کو وہ عبید اللہ بن محمد کا نائب کہتا تھا۔ محمد بن الحنفیہ بن علی بن ابی طالب کو وہ رسول کہتا تھا۔ چنانچہ اذان میں وہ **اشهد ان محمد بن الحنفية رسول الله** کا اضافہ کرتا تھا۔ اس کے ماننے والے لوگ بھی ان کی پوری پوری اقتداء کرتے

تھے۔ یہ لوگ غسل جنابت کو غیر ضروری سمجھتے تھے۔ شراب کو جائز قرار دیتے تھے۔ بیت اللہ کی جگہ بیت المقدس کو حرم اور قبلہ قرار دیتے تھے اور اسی کی طرف رخ کر کے نمازیں پڑھتے تھے۔ ان کے یہاں نماز صرف دو اوقات تھی، ایک قبل طلوع آفتاب اور دوسری بعد غروب آفتاب، وہ بھی صرف دو دو رکعتیں۔ ہفتہ کا دن جمعہ کے بجائے دوشنبہ کو مقرر کر رکھا تھا۔ اور اس دن کو بابرکت سمجھتے تھے۔ رمضان کے روزوں کی جگہ صرف دو دنوں کے روزے رکھتے تھے۔ اس طرح انھوں نے ہزاروں مسلمانوں کے عقائد خراب کئے اور لوگوں کو اذیتیں دیں۔ اپنے مخالفین کو قتل کرنا واجب قرار دیتے تھے۔

صوفیہ

یوں تو اس کی شروعات دوسری صدی ہجری کے نصف آخر سے ہو چکی تھی لیکن اس کا زور تقریباً اسی زمانے میں ہونا شروع ہو گیا۔ منصور حلاج نے جو صوفیہ میں سرخیل کی حیثیت رکھتا تھا اور آج بھی جس کا سکہ طبقۂ صوفیہ میں پورے آب و تاب کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے، عجیب و غریب عقائد و خیالات عوام کے سامنے پیش کئے۔ کبھی وہ اپنے اندر پیغمبر کی روح کا دعویٰ کرتا اور کبھی خدا کا۔ بالآخر علماء کے فتویٰ پر اسے قتل کر دیا گیا۔ لیکن اس کے شاگرد اور متبعین اور دیگر ایجنٹوں کے علاوہ اس کے دوست اور ہم نوا ابوبکر شبلی اور اس کے استاد جنید بغدادی کی یہ کارستانی قائم اور جاری رہی اور مسلمانوں کے عقائد و ایمان میں بگاڑ اور فساد پیدا کیا جاتا رہا۔

فرقۂ صوفیہ کے عقائد و اعمال کی بنیاد میں شیعیت غالب ہے۔ اس لیے کہ اس کے بانی مبانی شیعہ تھے اور تصوف کی جائے پیدائش بھی شیعوں کا سب سے بڑا مرکز کوفہ تھا۔ پھر اس نے شیعوں کے دوسرے بڑے مرکز بصرہ میں اپنے قدم جما لئے، یہاں تک کہ دیکھتے دیکھتے پوری مملکت اسلامیہ میں اس کے ہم نواؤں کی ایک کثیر تعداد ہو گئی۔ جنید بغدادی نے اسے مسلم معاشرے کے اندرون میں پیوست کر دیا تو ابوبکر شبلی نے اسے مسجدوں کے منبروں تک پہنچا دیا اور منصور حلاج نے اسے چار دانگ عالم میں شہرت دے دی۔

فرقۂ صوفیہ نے یونانی فلسفے کی بنیاد پر شیعوں کے مختلف فرقوں سے مختلف قسم کے عقائد و افکار

لے کر تصوف کے محل تعمیر کئے اور عیسائیوں، یہودیوں، مانیوں، زرتشتیوں، بدھوں، ہندوؤں وغیرہ کے خرافات سے بھی خوب خوب خوشہ چینی کی۔ اس طرح مذہب تصوف دراصل تمام مذاہب عالم کا ایک مخلوطہ ہے۔

مسلمانوں کے درمیان سے مذکورہ تمام فرقوں جن کا تذکرہ قبل کے صفحات میں کیا گیا ہے، کے خارج ہوجانے کے بعد باقی ماندہ مسلمانوں کے عقائد وافکار اور اعمال وکردار کو خراب کرنے اور شاہراہ ہدایت سے پھیر دینے کے لیے فرقۂ صوفیہ ان کے اندر نفوذ کرنے کی راہیں ہموار کرتے رہے اور بالآخر ان میں وہ پوری طرح جذب ہوگئے، یہاں تک کہ کچھ ہی عرصے کے بعد نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ عام مسلمانوں میں فرقۂ صوفیہ کا دور دورہ قائم ہوگیا۔ صوفیہ مسند ارشاد وہدایت پر متمکن ہوگئے اور تمام مسلمانوں پر بلاشرکت غیرے ان کی پیشوائی قائم اور مسلط ہوگئی، جس کا سلسلہ ہنوز چلا آرہا ہے۔

غرض کہ مسلمانوں کے درمیان ہر چہار اطراف اور بالخصوص ایران سے خلاف اسلام مشرکانہ اور ملحدانہ تحریکیں اٹھیں اور خوب فروغ پاتی رہیں۔ ان باطل تحریکوں نے اسلام کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا اور مسلمانوں کا شیرازہ ایسا بکھیر کر رکھ دیا کہ آج ان میں اشتراک واتفاق کی راہ تو دور کی بات ہے آپس میں افہام وتفہیم کی گنجائش تک باقی نہیں رہی ہے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی اور دین اسلام اور نظام حق کے قیام ونفاذ کے فرائض کے احساس وشعور سے یہ اتنے دور ہوگئے جہاں سے واپسی بھی ممکن نہیں ہوتی ہے۔ الا ماشاءاللہ

سیاسی طالع آزما گروہ

ان کے علاوہ مسلمانوں کے اندر بکثرت وہ طالع آزما گروہ بھی تھے جنہوں نے دنیاوی جاہ واقتدار اور مال ومتاع کے حصول کے لیے ہر طرح کا فتنہ وفساد برپا کر رکھا تھا۔ اپنی معمولی سی دنیوی منفعت کے لیے افراد اور گروہوں کا خون حلال قرار دے لیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہر چہار اطراف خون خرابہ اور قتل وغارت گری کا ایک ایسا لامتناہی سلسلہ شروع ہوگیا جو صدیوں پر محیط ہے، یہاں تک کہ مملکت کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کے ساتھ ساتھ پوری امت مسلمہ بے حدوحساب چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں منقسم ہوتی چلی گئی۔ کہاں تو بنی امیہ تمام مسلمانان عالم پر حکومت کرتے تھے اور مرکزِ حکومت بھی ایک ہی تھا اور کہاں بنوعباسیہ کے حکومت پر قابض ہوتے ہی مسلمانوں کی حکومت کے حصے بخرے ہونے شروع ہوگئے۔ چنانچہ ۱۳۸ھ میں ہسپانیہ کی سلطنت الگ ہوگئی۔ ۱۷۲ھ میں مراقش جدا ہوگیا۔ ۱۸۴ھ میں صوبہ افریقہ آزاد ہوگیا۔ ۲۰۳ھ میں یمن میں حکومت زیادیہ وجود میں آگئی۔ ۲۰۵ھ میں خراساں پر طاہریہ کی حکومت قائم ہوگئی۔ ۲۵۰ھ میں علویہ زیدیہ نے اپنی حکومت کا سکہ جمایا۔ ۲۵۴ھ میں صفاریوں نے اپنی حکومت قائم کرلی۔ ۲۹۰ھ میں دولت سامانیہ کی اجارہ داری قائم ہوگئی۔ ۲۶۵ھ میں صوبہ سندھ کی علاحدہ ریاست قائم ہوگئی۔ ۲۸۶ھ میں بحرین میں قرامطہ نے اپنی خودمختار سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ ۳۲۲ھ میں بنی بویہ ویلمیہ نے فارس اور عراق پر اپنی حکومت کا جلوہ دکھایا۔ ۳۲۷ء میں وہاں دولت اخشیدیہ نے اپنی جگہ بنالی۔ اسی طرح عبیدیہ، دولت بنوحمدان، دولت بنوسلیمان، دولت مردانیہ، دولت غزنویہ، دولت سلجوقیہ، دولت ایوبیہ، دولت مملوکیہ، دولت زیریہ، دولت ضمادیہ، دولت مرابطین، دولت موحدین، دولت اسماعیلیہ حشاشین وغیرہ بکثرت اکائیوں کا وجود قائم ہوتا چلا گیا اور ان میں سے ہرایک اکائی نہ صرف ایک دوسرے کے خلاف تھی بلکہ ایک دوسرے کے خلاف صف آرا بھی تھی۔ ایک دوسرے کی رقابت میں یہود ونصاریٰ کی رفاقت وولایت کو اختیار کرنے میں بھی انہیں مطلق جھجک نہیں ہوتی تھی۔ اس طرح ان میں سے ہر ایک ٹولی بالآخر اغیار کے لئے لقمۂ تر ثابت ہوتی چلی گئی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ امت مسلمہ کا شیرازہ بکھر کر رہ گیا اور اندرونی اور بیرونی دونوں ہی قسم کے دشمنانِ اسلام نے مسلمانوں پر خوب خوب ہاتھ مارا گیا، انہیں اپنا محکوم بنالیا اور اپنی سیاسی، معاشی، اور معاشرتی سانچوں میں انہیں ایسا ڈھال کر رکھ دیا کہ چند ہی نسلوں کے گزرنے کے بعد انہیں عام طور پر اپنے آپ کو اور اپنی شناخت کو کھودینے اور اسلام سے دور اور نظامِ حق سے نابلد ہوجانے کا علم اور احساس تک باقی نہ رہا۔

امام بخاری نے سعید مسیّب کی ایک مشہور روایت نقل کی ہے:

”سعید بن میسّب سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا: پہلا فساد جو ہوا یعنی حضرت عثمان غنیؓ شہید کئے گئے، اس میں بدر والوں میں سے کوئی باقی نہ رہا۔ پھر دوسرا فساد حرہ کا ہوا (جس میں یزید پلید نے مدینہ والوں کو قتل کیا)، اس فساد میں ان صحابیوں میں سے جو صلح حدیبیہ میں شریک تھے، کوئی باقی نہ بچا۔ پھر تیسرا فساد ہوا، وہ اس وقت تک نہیں گیا جب تک کہ لوگوں میں کچھ بھی خوبی یا عقل باقی تھی۔“ (بحوالہ امام جلال الدین السیوطی۔ تاریخ الخلفاء)

مسلکی اختلافات

اسی طرح مذکورہ بالا فرقوں اور سیاسی طالع آزما گروہوں کے علاوہ جو لوگ باقی بچے ہوئے تھے ان مسلمانوں کے درمیان بے تحاشا بکثرت مسالک و مذاہب وجود میں آتے چلے گئے اور ان میں سے ہر ایک مسلک نے نہ صرف عام مسلمانوں میں سے اپنے ہم نوا اور مقلدین کی بھیڑ جمع کرنی شروع کردی بلکہ ہر ایک مسلک کے پیرو دوسرے مسالک کے پیروؤں کے ساتھ گلی گلی، قریہ قریہ گتھم گتھا ہوتے چلے گئے۔ ایک گروہ کا دوسرے گروہ کو برداشت کرنا تو دور کی بات ہے، انہیں دیکھنا تک گوارا نہیں ہونے لگا۔ ہر طرف فتنہ و فساد کی وبا پھوٹ پڑی اور نزاعات کی ایسی آندھی چلنے لگی کہ حکومت کو مجبور ہو کر عوام کے درمیان نظم و نسق کو بحال کرنے کے لئے ان کی تحدید کرنی پڑی۔ چنانچہ چار بڑے مسالک----- مسلک حنفی، مسلک مالکی، مسلک شافعی اور مسلک حنبلی----- کے علاوہ باقی تمام مسالک کو کالعدم اور ممنوع قرار دینا پڑا اور ان کے متبعین کے لئے سخت سزائیں تجویز کرنی پڑیں، اس حال میں کہ ان حکمرانوں کو نہ تو اسلام سے دلچسپی تھی اور نہ ہی مسالک و مذاہب سے بلکہ محض فتنہ و فساد اور جھگڑے اور مناقشے نے انہیں ایسا قدم اٹھانے پر مجبور کیا تھا۔ البتہ ان چار بڑے مسالک کو چھیڑنا اور ان پر کسی قسم کی پابندی لگانا ان حکمرانوں کے حق میں نقصان کا باعث ہو سکتا تھا اس لئے نظم و نسق کے مسائل کے باوجود ان پر کسی قسم کی پابندی نہیں لگائی جا سکی۔ چنانچہ وہ سلسلے آج بھی قائم ہیں۔ ان بزرگ ہستیوں نے جن کے ناموں سے یہ مسلکی سلسلے چلے آرہے ہیں کبھی اپنے حاشیۂ خیال میں بھی نہ سوچا ہوگا کہ ان کی قیمتی اور نادر علمی و تحقیقی خدمات کو ایسی منفی راہوں کے لئے استعمال کرلیا جائے گا اور مسلمانوں کے درمیان افتراق و انتشار پیدا کرنے کا ذریعہ بنالیا جائے گا۔

غرض کہ مختلف جہتوں سے وجود میں آنے والے ہر ایک گروہ نے اپنی ذات اور اپنے مفاد اور عزائم کی تکمیل اور اپنے وجود کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے اسلام کو بھی اپنے اپنے سانچوں میں ڈھالنے کی کوششیں شروع کردیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کی مختلف قسمیں اور شکلیں وجود میں آگئیں اور ان میں ہر ایک قسم کے اسلام کو دانستہ اور نادانستہ طور پر ان کے متبعین بھی ملتے چلے گئے، یہاں تک کہ آج اس کی بے شمار قسمیں ہیں کہ ان کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا، جب کہ ہر ایک

کا دعویٰ یہی ہے کہ وہ اور اس کی جماعت ہی اصل دین حق کے حامل ہیں۔ نتیجہ کے طور پر مصائب و آلام نے مستقلاً مسلمانوں کا احاطہ کرلیا جو ان کے اعمال کا فطری انجام تھا۔ حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے بخوبی آگاہ فردیا تھا اور اچھی طرح نصیحت کردی تھی:

> اور تجھ پر جو بھی مصیبت آتی ہے وہ تیرے اپنے ہی کسب و عمل کی بدولت ہے۔ (النّساء:۷۹)
>
> حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر ظلم نہیں کرتا، لوگ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔ (یونس:۴۴)

اور جب مسلمانوں نے خود ہی اپنے لئے مصائب اور ظلم کو پسند کیا اور انہیں راستوں کو اپنایا تو فطری طور پر جو کچھ بھی ہونا تھا وہ سب کچھ ہوا:

> ہم نے ان کو زمین میں ٹکڑے ٹکڑے کرکے بہت سی قوموں میں تقسیم کردیا۔ کچھ لوگ ان میں نیک تھے اور کچھ ان سے مختلف۔ اور ہم ان کو اچھے اور برے حالات سے آزمائش میں مبتلا کرتے رہے کہ شاید یہ پلٹ آئیں۔ پھر اگلی نسلوں کے بعد ایسے ناخلف ان کے جانشیں ہوئے جو کتاب الٰہی کے وارث ہوکر بھی اسی دنیائے دنی کے فائدے سمیٹتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ توقع ہے کہ ہمیں معاف کردیا جائے گا، اور اگر وہی متاع دنیا سامنے آتی ہے تو پھر لپک کر اسے لے لیتے ہیں۔ کیا ان سے کتاب کا عہد نہیں لیا جا چکا ہے کہ اللہ کے نام پر وہی بات کہیں جو حق ہو؟ اور خود کتاب پڑھ چکے ہیں جو کتاب میں لکھا ہے۔ (الاعراف ۱۶۸۔۱۶۹)

پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح فردیا کہ---

> بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کے حال کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل دیتی۔ (الرّعد:۱۱)

☆☆☆

باب ۔۸

امت مسلمہ کا خون ارزاں

امت مسلمہ نے جب اللہ تعالیٰ کی ہدایات سے صرفِ نظر کرلیا، دین اللہ کو ریاست وحکومت سے بے دخل کردیا، نظام اقتصادیات کو درہم برہم کر کے رکھ دیا اور معاشرے کو شرک و بدعت، الحادو دہریت اور شیطانی طریقہ ورسوم سے مملوکردیا تو ان کے اندر سے بھی اور باہر سے بھی مصائب وآلام کے طوفان اٹھ کھڑے ہوئے، ان کے خون ارزان ہوگئے اور ان کی عزت و آبروسر بازار نیلام ہونے لگی۔

۶۳ھ میں یزید بن معاویہ کو اطلاع ملی کہ مدینہ والوں نے اس کی بیعت توڑ دی ہے اور اس پر حملہ آور ہونا چاہتے ہیں۔ اس اطلاع پر یزید نے ایک بڑی فوج مسلم بن عقبہ کی قیادت میں مدینہ پر حملہ کرنے کیلئے بھیج دی اور مدینے والوں کا سراڑا دینے کا حکم دے ڈالا۔ مسلم بن عقبہ اپنی فوج لے کر فاتحانہ مدینے میں داخل ہوا تو اس نے تین دنوں تک قتل عام اور غارت گری کا بازار گرم رکھا۔ اس قتل عام میں ایک ہزار کے قریب لوگ مارے گئے۔ چوتھے روز مسلم بن عقبہ نے قتل عام موقوف کر کے سبھوں کو بیعت کا حکم دیا۔ مسلم کے ہاتھوں بیعت کرنے والوں کی جان بچ گئی اور جنہوں نے بیعت سے انکار کیا انہیں قتل کردیا گیا۔ پھر باب طیبہ میں جنگ ہوئی جو جنگ حرّہ یعنی جنگ مکمہ معظّمہ کے نام سے مشہور ہے اور جس کے متعلق امام حسنؒ نے ایک مرتبہ بیان کیا تھا کہ ''بخدا اس جنگ میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو چن چن کر قتل کردیا گیا اور دوسرے مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا، شہر مکہ لوٹا گیا اور ہزارہا دوشیزہ اور نوجوان خواتین کو جبراً ذلیل کیا گیا۔'' (تاریخ الخلفاء از حافظ جلال الدین السیوطی)۔ امام ذہبی نے لکھا ہے کہ ماہ صفر ۶۴ھ میں یزید جب مدینے والوں کے ساتھ ظلم وستم سے اپنا پیٹ بھر چکا اور ان ہی ظالموں کے ساتھ شراب نوشی اور دوسری برائیاں کرنے لگا تو تمام لوگوں کو اس پر غصہ آگیا اور سبھوں نے اس پر حملے کی ٹھانی۔ یزید نے اپنی فوج مکہ معظّمہ روانہ کردی۔ اس کی فوج نے مکمہ معظّمہ پہنچ کر ابن زبیر کا محاصرہ کرلیا، ان کے قتل کی تدبیریں کیں اور ان پر منجنیق سے پتھر برسائے اور شہر میں آگ لگادی، جس کے شراروں سے کعبہ کا پردہ اور اس کی چھت جل کر گرگئی (تاریخ الخلفاء از جلال الدین السیوطی)۔ حافظ جلال الدین السیوطی کہتے ہیں کہ عبدالملک بن مروان اور حجاج بن یوسف میں کوئی فرق نہیں ہے، بلکہ دونوں برابر ہیں۔ عبدالملک ہی نے حجاج کو صحابہ اور ممتاز مسلمانوں پر حاکم اعلیٰ بنایا، جس نے مسلمانوں کو ذلیل وخوار کیا، مارا پیٹا، گالیاں دیں اور صحابہ اور تابعین کا قتل عام کیا۔ (تاریخ الخلفاء از جلال الدین السیوطی) مصیبت کا طوفان جب آجاتا ہے تو ستو کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے۔ چنانچہ کسی نے صحابہ اور جلیل القدر تابعین کا ذرہ برابر بھی پاس ولحاظ نہ کیا بلکہ ان کے ساتھ بھی انتہائی بے رحمانہ سلوک ہی روا رکھا۔

ولید بن یزید بڑا ظالم، سرکش، حاسد، بے راہ، اپنے وقت کا فرعون، زمانے بھر کا عیب دار، لوگوں کو تکلیفیں دینے والا، بدانجام، ہلاک ہونے والا، قرآن کریم کو نیزے پر اٹھانے والا، فاسق و فاجر، گناہوں پر بڑا ہی دلیر، حد سے تجاوز کرنے والا، بے باک اور شرابی تھا، جس کے نتیجے میں لوگوں نے جب اس کے محل کا محاصرہ کرلیا تو ابن یزید نے لوگوں سے کہا: لوگو! میں نے تمہارے عطیات میں اضافے کئے تمہاری امداد کی اور تم فقیروں پر مال ودولت کی بخشش کی، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تم لوگوں نے میرا محاصرہ کرلیا۔ اس پر لوگوں نے جواب دیا: ہم تم پر کوئی سختی نہیں کررہے ہیں بلکہ تم پر سختی کرنے والی چیزیں اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں پر تمہارا ہنسی اڑانا اور انہیں جائز قرار دینا، تمہاری شراب نوشی، ماں کی بیٹیوں سے نکاح کرنا، احکام الٰہی کو ٹھکرانا اور ان کو ذلیل کرنا، یہ سب وہ امور ہیں جو تم پر سختی کررہے ہیں۔ (تاریخ الخلفاء از حافظ جلال الدین السیوطی)

بنی امیہ کے ایک دو کو چھوڑ کر تمام حکمرانوں، عہدیداروں، اہل کاروں اور حاکموں کا یہی حال تھا۔ بنی امیہ نے اپنی حکومت کے قیام اور استحکام کے لئے لوگوں پر ظلم وتشدد روا رکھنے اور انہیں بے دریغ قتل کرنے میں ان کو ذرا تامل نہ ہوتا تھا۔ سلاطین بنی امیہ کے سب سے زیادہ نام ور اور کارگزار اہل کار اور صوبہ دار وہی ہوتے تھے جو سب سے زیادہ سفاک، لوگوں کو بے دریغ قتل کرڈالنے والے، سختی سے کام لینے والے اور بے مروت ہوتے تھے۔ وہ اپنے خیال کے مطابق ظلم و تشدد، قتل وغارت گری اور خفیہ تدبیروں اور سازشوں کو اپنی حکومتوں کے قیام واستحکام کے لئے واحد ذریعہ سمجھتے اور بظاہر معاملہ کچھ ایسا ہی انہیں نظر بھی آتا تھا۔

یہ تھا بنوامیہ اور ان کے اہل کار حواریین اور متبعین کا دین اللہ سے انحراف اور نظامِ حق کی خلاف ورزیاں اور ان کے نتیجے میں ان کے سیاہ کرتوت جن کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے زبردست تازیانے کا انتظام فرما دیا۔ ۱۳۲ھ میں بنوعباسیہ تخت حکومت پر قابض ہو گئے۔ ابوالعباس عبداللہ سفاح بنوعباسیہ کا پہلا حکمراں تھا۔ وہ خون ریزی کا ایک مثالی کردار تھا۔ اس لئے تاریخ اسے سفاح کے نام سے یاد کرتی ہے۔ عبداللہ سفاح کا چچا عبداللہ بن علی دمشق میں داخل ہوا تو اس نے قتل عام کا حکم دے دیا اور بنوامیہ کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے اور ان کا نام ونشان مٹا ڈالنے کی کوشش کر ڈالی۔ بنوعباسیہ کے اہل کاروں نے عبداللہ سفاح اور دوسرے عباسی سرداروں کو بار بار لکھا کہ بنوامیہ کے کسی فرد کو چاہے وہ کوئی بھی ہو اور کیسا بھی ہو، یہاں تک کہ اپنا بہی خواہ ہی کیوں نہ ہو زندہ نہ چھوڑا جائے۔ چنانچہ اس مشورے پر حتی الامکان عمل بھی ہوا۔ عباسیوں نے بنوامیہ میں سے ہر ایک کو چن چن کر قتل کر دیا، حتی کہ عبداللہ بن علی نے سفاح کے سامنے بنوامیہ کے ۸۰۔۹۰ لوگوں کو قتل کروا کے اور ان کی لاشوں کو ہموار کر کے ان کے اوپر دسترخوان بچھوایا۔ اس دسترخوان پر کھانا چنا گیا اور عبداللہ بن علی نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ اس دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھایا۔ اس دوران ان میں سے ان لوگوں کے کراہنے کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں، جو ابھی مرے نہیں تھے، بلکہ اب بھی کسی قدر دم باقی تھا۔ عبداللہ بن عباس نے بصرہ میں بنوامیہ کے ایک گروہ کو قتل کر کے لاشوں کو راستے میں پھینکوا دیا اور انہیں دفن کرنے کی ممانعت کر دی۔ ان لاشوں کو مدتوں کتے وغیرہ کھاتے رہے۔ عبداللہ علی کے دوسرے بھائی یعنی سفاح کے دوسرے چچا داؤد بن علی نے مکہ، مدینہ، حجاز اور یمن سے ایک ایک اموی کو چن چن کر قتل کرا دیا اور بنوامیہ میں سے کسی کا نام ونشان تک باقی نہ رکھا۔ غرض کہ تمام ممالک محروسہ میں عام حکم جاری کر دیا کہ جہاں بھی کوئی نظر آئے اس کو بلا دریغ قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ ولایتوں کے والی اور شہروں کے حاکم جو عموماً عباسی ہی تھے اپنی اپنی جگہ اس تجسس میں مصروف رہنے لگے کہ کہیں کسی اموی کا پتہ چلے اور اس کو قتل کر دیا جائے۔ جانوروں کے شکاریوں کی طرح بنی امیہ کا شکار کرنے کے لئے لوگ روزانہ گھروں سے نکلتے تھے۔ غرض کہ کوئی مکان، کوئی بستی، کوئی قصبہ، کوئی شہر اور کوئی مقام بنوامیہ کے لئے جائے پناہ نہ رہ گیا۔ برسوں عباسی انہیں تلاش کر کے قتل کرتے رہے۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ غیر بنی امیہ میں سے جن لوگوں نے کبھی نہ کبھی بنوامیہ کی حمایت

کی یا ان کی کوئی خدمت انجام دی، انہیں بھی قتل کر دیا گیا۔ سفاح نے اپنے مخالفین کے قلع قمع کرنے کے لئے فارس میں اپنے بھائی یحیٰ بن محمد علی کو بارہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ روانہ کیا۔ اس نے اہل موصل کے بارہ سربرآوردہ لوگوں کو دھوکے سے بلا کر قتل کر دیا۔ اہل موصل میں اس سے سخت اشتعال پیدا ہوا اور وہ جنگ کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ یحیٰ نے یہ دیکھ کر منادی کرا دی کہ جو شخص جامع مسجد میں چلا جائے گا اس کو جان کی امان دے دی جائے گی۔ یہ سن کر لوگ جامع مسجد کی طرف دوڑ پڑے۔ جامع مسجد کے دروازوں پر یحیٰ کے آدمی متعین تھے۔ جو مسجد کے اندر جاتے تھے قتل کر دئے جاتے تھے۔ اس طرح گیارہ ہزار آدمی قتل کر دئے گئے۔ پھر شہر میں قتل عام کیا گیا۔ رات ہوئی تو یحیٰ کے کانوں میں ان عورتوں کے رونے کی آوازیں آئیں جن کے شوہر، باپ، بھائی، اور بیٹے قتل ہو گئے تھے۔ صبح ہوتے ہی یحیٰ نے حکم دے دیا کہ ان تمام عورتوں اور بچوں کو بھی قتل کر دیا جائے۔ تین دنوں تک اہل شہر کا خون فوجیوں کے لئے مباح قرار دے دیا گیا۔ اس طرح بے تحاشا لوگ قتل ہوتے رہے۔ یحیٰ کے لشکر میں چار ہزار زنگی بھی تھے۔ ان زنگیوں نے بے تحاشہ عورتوں کی عصمت لوٹی۔ سفاح کا ایک اور بھائی ابوجعفر منصور کے ماتحتوں نے مشرق ومغرب میں ظلم و جبر اور خون ریزی کا نہایت ہی بھیانک اور وحشت ناک بازار گرم کر دیا۔ اس نے اکثر علماء کو قتل کر ڈالا اور بیشتر کو سخت اذیتوں میں مبتلا کر دیا۔ ان مظلوم علماء میں امام ابوحنیفہ، عبدالحمید بن جعفر، ابن عجلان اور امام مالک وغیرہ کے نام سرفہرست ہیں۔

ان سب کے باوجود مسلمانوں کے سوادِ اعظم کی کج فکری، بے راہ روی، آپس کی نا اتفاقی، فرقہ بندی، ایک دوسرے پر ناحق ظلم وزیادتی، آپس کی ناحق خوں ریزی، مال ودولت کی حرص و ہوس، دنیا پرستی، اتباع شریعت کے بجائے پیر پرستی، شخصیت پرستی، احبار ورہبان پرستی اور جماعت وفرقہ پرستی، احکام وہدایات الٰہی سے روگردانی، آیات الٰہی کی تھوڑی قیمت کے عوض سودے بازی، آیات الٰہی کے ساتھ من مانی کھلواڑ، دین اللہ کو چھوڑ کر دوسرے طریق زندگی کی قبولیت، شریعت کی جگہ یہود ونصاریٰ کے وضع کردہ اصول وضوابط پر عمل آوری، اخلاق وتہذیب کی پستی، حرام وحلال کی تمیز سے لاپروائی اور قساوت قلبی میں روز افزوں ترقی ہی ہوتی رہی۔ اپنے برے کرتوت کی اصلاح کا انہیں خیال تک نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ کی ہدایتوں سے یکسر منحرف ہو گئے اور اللہ نے جن امور سے بچنے کی سخت تاکید فرمائی تھی، ان ہی میں مبتلا رہے، یہود ونصاریٰ

کو اپنا امام بنالیا، ان ہی کی اقتداء میں اپنی ترقی، خوش حالی، عیش پسندی، ظلم وزیادتی اور دنیا پرستی کو اپنی زندگی کا نصب العین قرار دے لیا، یہاں تک کہ یہ تمام سلسلے تا ہنوز قائم اور جاری ہیں۔ نتیجہ یہ کہ وہ سب کچھ ہوتا رہا اور آج بھی ہو رہا ہے جن کا ہونا فطری تقاضا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ سنت چلی آرہی ہے۔ ان کے ناقابل اصلاح ہونے کی صورت میں تباہی وبربادی، محکومی و غلامی اور ذلت ومسکنت ان کے لئے ان کے اندر سے بھی اور باہر سے بھی مقدر کردی گئی۔ لہٰذا خبطی اور خردماغی میں یہ ایسے مبتلا ہوجاتے ہیں کہ اپنے ہی بھائیوں کو تباہ وبرباد کرنے، ان کی جان ومال کے درپے ہونے، ان کی عزت وآبرو کو تار تار کرنے کا لامتناہی سلسلہ شروع کردیتے ہیں۔ چنانچہ کبھی باہر سے بھی ظالم وسفاک، قاتل وغارت گر رہزن ان پر مسلط ہوجاتے ہیں، ان کی سرکوبی کرتے ہیں، انہیں تباہ وبرباد کرکے رکھ دیتے ہیں اور دونوں ہاتھوں سے لوٹتے اور بے آبرو کرتے ہیں۔ چنگیز خاں اور ہلاکو کی مسلمانوں پر قیامت خیزی انسانی تاریخ کا ایک عظیم سانحہ ہے۔ اس قسم کے تازیانۂ عبرت کسی قوم پر اسی وقت برسائے جاتے ہیں، جب ان میں صالح عنصر یا تو باقی ہی نہیں رہ جاتا ہے یا پھر اگر باقی رہتا بھی ہے تو ایسے لوگ بے دست وپا بنا کر رکھ دیئے جاتے ہیں اور ان کی نصیحتوں اور یاددہانیوں پر مطلق کان نہیں دھرا جاتا۔

تاتاریوں کا فتنۂ عظیم

چنگیز خاں

۶۱۵ھ میں چنگیز خاں تاتار جو چین کے پہاڑی علاقوں کے قبیلے سے تعلق رکھتا تھا، اپنی فوج لے کر مسلم ممالک کی طرف متوجہ ہوا اور مقام انزار کے قریب پہنچ کر اس نے اپنے تین بیٹوں جوجی خاں، اوکتائی خان اور چغتائی خاں کو انزار کے محاصرے پر مامور کیا اور خود اپنے چھوٹے بیٹے تولی خاں کو ساتھ لے کر بخارا کی طرف بڑھا اور ترکستان کے شہروں کاشغر، شاغرق وغیرہ کو لوٹا۔ چنگیز خاں کے ایک سردار نے تیس ہزار فوج کے ساتھ دریائے جیحون کو عبور کرکے بخارا، سمرقند وغیرہ مقامات کو فتح کرکے خراساں کے تمام مقامات پر خون کے دریا بہانے شروع کردیئے۔ ۶۱۷ھ میں چنگیز خاں نے بلخ اور ہرات میں قتل عام کیا اور پھر نیشاپور، ماژندران، آمل، رے، ہمدان، قم، قزوین، دیبل، تبریز، طفلیس، مراغہ، آذربائیجان، دربند، شیروان، لان، لکز، قفچان، غزنی، بجستان، کرمان کے ساتھ ساتھ خوارزم پر قابض ہوکر اس طرح قتل وغارت گری اور لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کیا کہ بچوں، بوڑھوں اور عورتوں تک کو نہ بخشا، آبادی کی آبادی ویران کرڈالا اور پھر شہروں میں آگ لگادی۔ چنگیز خاں نے بامیان کے مردوعورت سبھوں کے قتل عام کا حکم دے دیا یہاں تک کہ حاملہ عورتوں کے پیٹ سے بچوں کو نکال کر ان کی گردنیں اڑادی گئیں۔ اسی طرح تاتاریوں نے سوائے بغداد، عراق، عرب اور ہندوستان کے پورے براعظم ایشیا اور کسی قدر براعظم یوروپ پر قبضہ کرلیا تھا۔ لیکن ان کے ہاتھوں مسلم سلطنتیں زیادہ تباہ وبرباد ہوئیں اور زیادہ مسلمان ہی ان کی تلواروں کی زد میں آئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ لوگ مسلمانوں کا نام ونشان مٹا کر رکھ دیں گے۔

مشہور مورخ ابن اثیر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے: ''تاتاریوں کا فتنہ ایک عظیم حادثہ اور زبردست مصیبت ہے، جس کی مثال پوری دنیا پیش کرنے سے قاصر ہے۔ تاتاریوں نے عام طور پر انسانوں اور خاص کر مسلمانوں پر بے انتہا ظلم کئے۔ اگر کہا جائے کہ ابتدائے آفرینش سے اب

تک اس قسم کے ظالم رونما نہیں ہوئے تھے تو یہ بالکل درست بات ہوگی۔ تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی جو تاتاری مظالم کی مثال قرار دی جاسکے۔ تاریخ میں سب سے زیادہ ظلم کی داستان بخت نصر کی ملتی ہے، جس نے بیت المقدس میں اسرائیلیوں کے ساتھ ناروا سلوک کئے تھے۔ لیکن چنگیز خاں اور اس کے ساتھی ملعونوں نے مسلمانوں پر جو مظالم ڈھائے ان کو بیت المقدس کے مظالم سے کوئی نسبت نہیں دی جاسکتی۔ بیت المقدس میں اسرائیلیوں کا قتل اور تاتاریوں کے ہاتھوں مسلمانوں کے قتل عام میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔‘‘

ہلاکو خاں کی ہلاکتیں

٦٥١ھ میں چنگیز خاں کا پوتا ہلاکو خاں خراساں اور ایران میں وارد ہوا۔ خراساں پہنچ کر اس نے اسماعیلیوں کے قلعے فتح کر لئے یہاں تک کہ قلعہ ’’الموت‘‘ پر بھی اس کا قبضہ ہوگیا۔ اسماعیلیوں کا بادشاہ اپنے تمام اہل و عیال کے ساتھ قتل کر دیا گیا۔ پھر وہ ٦٥٦ھ میں اپنے غارت گر تاتاریوں کے لشکر کے ساتھ جن کی تعداد ایک لاکھ بتائی جاتی ہے، بغداد پر حملہ آور ہوا۔ شہر میں داخل ہو کر وہاں کے تمام علماء، امراء، عمائدین اور اراکین سلطنت کو ایک ایک کر کے اس طرح قتل کیا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو سکی۔ اس طرح کے تمام لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد قتل عام شروع کر دیا اور چالیس دنوں تک تاتاریوں کی تلواریں نیام میں نہیں گئیں۔ پورے شہر کے لوگ بے تحاشا قتل کئے گئے، عورتوں اور بچوں تک کو نہ بخشا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بغداد اور اس کے مضافات میں تاتاریوں نے چن چن کر لوگوں کو قتل کر دیا یہاں تک کہ پورا شہر ویران ہوگیا۔ بس صرف وہی لوگ بچ سکے جو کنوؤں میں، تہ خانوں میں یا کسی ایسی ہی پوشیدہ جگہوں میں چھپ سکے۔

مورخین کے مطابق یگانۂ روزگار شہر اور دارالخلافہ بغداد تاخت و تاراج کر دیا گیا۔ اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی، خون کی ندیاں بہا دی گئیں اور مرد و عورت، بوڑھے اور بچے سبھی بے دریغ قتل کر دیئے گئے۔ بغداد اور مضافاتِ بغداد میں ایک کروڑ چھ لاکھ مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ ہلاکو خاں نے جو سلوک خلیفہ کہے جانے والے مستعصم باللہ اور اس کے بیٹوں کے ساتھ کیا وہ بھی انتہائی لرزہ خیز ہے۔ مستعصم باللہ اور اس کے بیٹوں کو نمدوں میں لپیٹ کر ان پر فوجیوں کے گھوڑے دوڑا کر انہیں روندا گیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

> ہاں اسی طرح ہونا چاہیے تھا، ہماری آیات کو جب کہ وہ تیرے پاس آئی تھیں تو نے بھلا دیا تھا اسی طرح آج تو بھلایا جا رہا ہے۔ (طٰہٰ: ١٢٦)

یہ سب کچھ ان کی اپنی بداعمالیوں اور سیاہ کرتوتوں کی سزا تھی۔ نعمت ایمان پانے کے بعد اس کی قدر نہ کرنے، دین اللہ کو پس پشت ڈال دینے اور نظام حق کے بجائے خود ساختہ طریقوں ہی پر مصر رہنے کا انجام تھا۔ وہ اس بات کو بھول گئے تھے کہ جس اللہ تعالیٰ نے انہیں جاہ و حشمت، مال و متاع اور اقتدار و اختیار کی نعمتوں سے مالا مال کیا ہے وہ سزا دینے میں بھی بہت سخت ہے۔

حافظ جلال الدین السیوطی نے اپنی کتاب ’’تاریخ الخلفاء‘‘ میں سلطان ملک ناصر کے نام ہلاکو خاں کی جانب سے لکھے گئے خطوط کے چند اقتباسات درج کئے ہیں ان میں مسلمانوں کے لئے بڑا تازیانۂ عبرت ہے۔ ہلاکو خاں اپنے دوسرے خط میں لکھتا ہے:

> ’’بخدمت سلطان ناصر الدین، عمر دراز باد!
>
> ہم نے بغداد فتح کر کے باشندوں کی بیخ کنی کر ڈالی۔ انہوں نے مال و دولت دینے میں بخل سے کام لیا۔ وہ سمجھتے تھے کہ حکومت و مملکت صحیح سالم رہے گی۔ لیکن قدر و منزلت چلی گئی اور خلافت کا نام رہ گیا اور بدر کو گہن لگ گیا۔ واضح رہے کہ ہلاکت کو لیے ہوئے ہم بڑھنے والے ہیں۔ تم ایسے نہ بنو جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا، جس کے عوض وہ بھی بھلا دیئے گئے۔‘‘

پھر تیسرے خط میں وہ لکھتا ہے:

> ’’امابعد: ہم اللہ کے لشکر ہیں۔ ہمارے ذریعہ مغرور، سرکش اور گنہ گاروں سے اللہ تعالیٰ انتقام لے رہا ہے۔ غصہ کی حالت میں ہم لوگوں کے احوال دگرگوں کر دیتے ہیں اور سیدھے لوگوں کو ان کے اعمال و احوال سابق پر قائم رکھ چھوڑتے ہیں۔ شہروں کو برباد کرنے اور مردوں، عورتوں اور بچوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کی ہم کو عادت ہے۔‘‘

ایک اور تاتاری فتنہ ----- تیمور لنگ

چنگیز خاں اور ہلاکو خاں کے ذریعہ برسائے گئے زبردست کوڑوں نے بھی مسلمانوں کی

آنکھیں نہیں کھولیں۔ انہیں دین اللہ، نظام حق اور احکام و ہدایات الٰہی کی طرف پلٹ آنے کا ہوش نہ آیا، بلکہ سابقہ زندگی ہی کو اپنا نمونہ بنائے رکھا۔ اپنے آپ کو تبدیل کرنے کا انہیں خیال تک نہ آیا، بلکہ اپنی غفلتوں میں وہ اور بھی ڈوبتے چلے گئے۔ دین اللہ سے ان کی دوریاں اور بھی بڑھتی چلی گئیں۔ ہوس پرستی اور عیش و عشرت کی وہ اور بھی دل دادہ ہوتے چلے گئے۔ طلب دنیا میں اس قدر کھو گئے کہ ان میں اللہ تعالیٰ کی یاد کی گنجائش ہی باقی نہ رہنے دی۔ کلام اللہ ان کے حلق سے نیچے اترتا ہی نہیں تھا۔ چنانچہ ایک بار پھر چنگیز خانی نسل ہی سے تعلق رکھنے والی تاتاری قوم ایک نہایت ہی ظالم و جابر، خون خوار اور درندہ صفت انسان امیر تیمور کی سربراہی میں عذاب کی صورت میں مسلم ممالک پر حملہ آور ہو گئی۔

عالمی تاریخ امیر تیمور کو ''انسانی کھوپڑیوں کا مینار ساز'' کا خطاب دیتی ہے۔ اس لئے کہ وسط ایشیا اور ایران کے جنگی میدانوں اور صحراؤں میں اس نے انسانوں کی کھوپڑیوں سے مینار بنائے۔ یہ کھوپڑیاں مسلمان سپاہیوں اور بے گناہ شہریوں کی ہوتی تھیں۔

آٹھویں صدی ہجری یعنی چودہویں صدی عیسوی کے آخری دو عشروں اور پندرہویں صدی ہجری کے آغاز میں تیمور کی سربراہی میں نازل ہونے والے قتل و غارت گری اور تباہی و بربادی کے سانحے نے مشرق و مغرب کو آناً فاناً اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ کہنے کو امیر تیمور اور اس کی فوج مسلمان تھی، لیکن اصلاً وہ خوں خوار بھیڑئے تھے۔ چنگیزیت اور درندگی ان کی زندگی کا نصب العین تھا۔ چنانچہ انہوں نے خوں خواریت اور درندگی میں چنگیز خاں اور ہلاکو خاں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا اور دنیا کی تاریخ میں ایک نیا ریکارڈ ثبت کر دیا۔

امیر تیمور عثمانی ترکوں کے بادشاہ بایزید حیدر یلدرم پر حملہ آور ہوا، اسے شکست دی اور پھر تیموری لشکر آندھی طوفان کی طرح مسلم علاقوں اور شہروں کو اپنی لپیٹ میں لیتا چلا گیا۔ بروصہ، تائیس، خملق، آقا شہر، قرہ حصار وغیرہ بہت سارے شہروں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی، قتل عام کا بازار گرم کر ڈالا اور جی بھر کو لوٹ مار مچائی۔ سمرنا کو فتح کرتے ہی تیمور نے شہر میں داخل ہو کر اپنی فوجوں کو قتل عام کا حکم دے دیا۔ چنانچہ جی بھر کر قتل عام کیا گیا۔ اپنی وحشیانہ خواہش کی تکمیل کے لئے انسان کی کھوپڑیوں سے مینارے تعمیر کروائے۔ میناروں کی تعمیر میں چونے گارے کے ساتھ

اینٹوں کی جگہ انسانی کھوپڑیوں کا استعمال کیا گیا۔

پھر اس نے ایران کو روند ڈالا۔ اصفہان ''نصف جہاں'' کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا۔ شہروں کے دروازوں پر ہلہ بول دیا اور قتل عام کا بازار گرم کر ڈالا۔ ہر ایک سپاہی کو یہ تاکید کر دی گئی تھی کہ کم سے کم ایک ایرانی کا سر کاٹ کر لا حاضر کرے۔ دن بھر قتل عام کا یہ سلسلہ جاری رہا، جو بد قسمت رات کے اندھیرے میں بچ کر شہر سے بھاگے انہیں اگلے روز برف سے ڈھکے میدان میں گھیر کر قتل کر دیا گیا۔

امیر تیمور نے جب سنا کے ہندوستان میں ہنگاموں اور شورشوں کا طوفاں مچا ہوا ہے تو اس نے ہندوستان پر قبضہ کرنے کا اور اپنی درندگی کی ہوس کی تسکین کا منصوبہ بنالیا اور ۱۳۹۸ء میں افغانستان کے راستے ہندوستان کا رخ کیا۔ راستے کے تمام قلعے فتح کرتا ہوا قہر و غضب کا نمونہ بن کر علاقے کے علاقے کو تاخت و تاراج کرتا ہوا اور ان کے باشندوں کو تہ تیغ کرتا ہوا دہلی کی جانب بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ دریائے سندھ پار کر کے تیمور کے امیروں اور اہل کاروں نے شاہنواز کے مقبوضہ علاقوں میں گھروں میں گھس گھس کر قتل و غارت گری کا نہایت ہی بھیانک منظر پیش کیا۔ پھر اجودھن اور دیپال پور پر قبضہ کر کے انہیں مکمل طور پر تباہ و برباد کر کے رکھ دیا اور بھاگنے والوں تک کو چن چن کر قتل کر دیا۔ اس کے بعد شہر فتح آباد کو مسمار کر ڈالا۔ اس نے اپنے امراء سلیمان شاہ اور امیر جہاں کو دہلی کو تباہ کر دینے کا حکم دے کر دہلی بھیجا۔ دہلی کے قریب پہنچتے ہی تیمور نے اپنے ایک لاکھ قیدیوں کو قتل کر دینے کا حکم دے دیا۔ اس طرح اس ایک لاکھ کی جان صرف ایک دن میں لے لی گئی۔ دہلی پر قابض ہو کر تیمور نے اپنی فوج کو آزادی دے دی کہ جو چیز بھی انہیں ملے وہ ان پر قابض اور متصرف ہو جائیں، جو بھی جوان ان کے سامنے آئیں انہیں غلام بنالیں، جو عورتیں انہیں پسند آئیں ان کو اپنی ملکیت میں لے لیں۔ اس کے ساتھ ہی تین دنوں تک انہیں قتل عام، لوٹ مار اور عورتوں سے استفادے کی کھلی چھوٹ دے دی گئی۔ ان حکموں کے سنتے ہی تیموری فوج بھوکے بھیڑیوں کی طرح شہر پر ٹوٹ پڑے اور جی بھر کر بربریت اور درندگی کا مظاہرہ کیا، عورتوں کی آبرو ریزیاں کیں، لوٹ کھسوٹ مچایا اور بالآخر انسانی کھوپڑیوں کا انبار جمع کر لیا تاکہ ان سے مینار تعمیر کئے جائیں۔ امیر تیمور دہلی میں پندرہ دنوں رہا۔ ان پندرہ دنوں کے اندر اس کی فوجوں نے دہلی کو ویران کر ڈالا، بے گور و کفن انسانی لاشیں کئی دنوں تک چیلوں، کوؤں اور مردہ خور جانوروں کی غذا بنتی رہیں اور سڑتی ہوئی لاشوں سے وبائیں پھیلتی

رہیں۔ دہلی اور سیری دونوں مقامات دو ماہ تک ویران پڑے رہے۔ کسانوں نے مارے خوف کے زمینوں کی کاشت چھوڑ دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قحط سالی ہوگئی۔

پھر امیر تیمور کابل کے راستے واپس سمرقند چلا گیا۔ جاتے ہوئے بھی راستے میں متعدد شہروں کو کھنڈروں میں تبدیل کرتا گیا۔ میرٹھ کے قلعے کی دیواروں میں سوراخ کر کے اس میں آگ لگا دی۔ شہریوں کو قتل کر دیا۔ لاہور میں بھی یہی سب کچھ کیا۔ پھر سوالک پہاڑی سلسلے کے جتنے شہر آباد تھے سب کو جی بھر کر تاخت و تاراج کیا۔ دوآبہ میں بھی قتل عام کیا اور یہاں کے لوگوں کے مال و متاع پر قبضہ کر لیا۔

سچ ہے کہ جب فتنہ و فساد، فسق و فجور، ظلم اور فطرت انسانی سے بغاوت اور سرکشی حد سے تجاوز کر جاتی ہے تو عذاب کا کوڑا برسنے لگتا ہے۔ پھر اس وقت نہ کوئی تدبیر کام آتی ہے اور نہ ہی دعائیں مستجاب ہوتی ہیں۔ اور پھر یہ عذاب کسی کو نہیں بخشتا، صرف فاسق و فاجر، ظالم و جابر، فتنہ جو اور شر پسندوں ہی کی خبر نہیں لیتا ہے بلکہ ہر کس و ناکس اس کی لپیٹ میں آجاتے ہیں اور آبادی کی آبادی تہس نہس ہو کر ویرانوں میں تبدیل ہو جاتی ہے، ان کی عزت و آبرو خاک میں ملا دی جاتی ہے، ذلت و نکبت اور پستی و خواری دامن گرفتہ ہو جاتی ہے اور محکومی و غلامی ان کی تقدیر قرار پاتی ہے۔

اندلس (اسپین) پر عیسائی قبضہ اور مسلمانوں کا صفایا

یہی سب کچھ اسپین میں بھی ہوا، بلکہ یہاں سابقہ رکارڈ بھی توڑ دیا گیا۔ اسپین جو کبھی مسلمانوں کی تابندگی اور جلوہ نمائی کے لئے مشہور تھا، علم و ادب کا گہوارہ تھا، شان و شوکت اور مال و دولت کی علامت سمجھا جاتا تھا، آن کی آن میں یہ سب کچھ داستان پارینہ بن کر رہ گیا۔ آٹھ سو سالہ حکومت و سطوت کا نہ صرف آن واحد میں خاتمہ ہو گیا بلکہ مسلمانوں کی آبادی بھی نابود ہو گئی۔ سقوط غرناطہ کے بعد ۸۹۷ھ مطابق ۱۴۹۲ء میں اندلس (اسپین) کا قصر الحمراء عیسائیوں کے سپرد کر دیا گیا۔ اس کے سب سے اونچے برج پر اسلامی نشان کو گرا کر صلیب نصب کر دیا گیا۔ ایک کڑور آبادی والے ملک سے مسلمان یا تو جبراً عیسائی بننے پر مجبور کئے جا رہے تھے یا پھر ملک چھوڑنے پر مجبور تھے۔ عیسائیوں نے پورے ملک میں فوراً اپنی عدالتیں قائم کر دیں، جن میں ہر روز ہزاروں مسلمان گرفتار کر کے لائے جاتے اور محض مسلمان ہونے کے جرم میں آگ میں جھونک دیئے جاتے تھے۔ ۹۰۴ھ میں ایک عام حکم جاری کر دیا گیا کہ ہر شخص جو مسلمان ہے وہ عیسائیت قبول کر لے ورنہ کوئی بھی شخص جہاں کہیں بھی پایا جائے گا قتل کر دیا جائے گی۔ مورخین کے مطابق سقوطِ غرناطہ کے بعد تیس لاکھ مسلمانوں نے ہجرت کی۔ باقی ماندہ میں سے ظاہر ہے کہ کچھ نے تو ضرور ہی عیسائیت قبول کی ہوگی اور جن لوگوں نے عیسائیت قبول نہیں کی اور نہ ہی ہجرت کر سکے انہیں قتل کر دیا گیا۔ اس طرح اسپین پر مسلمانوں کے آٹھ سو سالہ تغلب اور حکمرانی کے بعد انہیں اپنے کرتوتوں کی سزا یوں ملی کہ ان کا ارض اندلس سے اس طرح صفایا کر دیا گیا کہ وہاں سے ان کا نام و نشان تک مٹا دیا گیا۔ ایک بھی کلمہ گو قسم کھانے کو بھی نہ چھوڑا گیا۔

نادر شاہ کی سفاکی

اسی طرح نادر شاہ ۱۷۳۹ء میں قلعہ دہلی سے ہاتھی پر سوار باہر نکلا اور دہلی میں قتل عام کا حکم دے دیا۔ اس حکم کے بعد وہ جامع مسجد کی سیڑھیوں پر تلوار نیام سے باہر نکال کر بیٹھ گیا جو اس بات کی علامت تھی کہ اب قتل عام زور شور سے جاری ہو۔ اس حکم کے سنتے ہی گھوڑ سواروں اور پیدل فوجیوں نے ایک دم سے شہریوں پر ہلہ بول دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے سپاہیوں نے گھروں میں گھس گھس کر نہ صرف لوٹ مار مچائی بلکہ قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دیا، مقتولوں کی بیویوں اور بیٹیوں کو بھی زبردستی لے بھاگے۔ مکانوں کو آگ لگا دی۔ اس ایک روز کی کارروائی میں نادر شاہ درانی نے ایک لاکھ باشندوں کو قتل کر دیا، ہزاروں باپردہ خواتین کی بے حرمتی ہوئی، عصمتوں کے آبگینے سر عام ٹوٹتے رہے۔ جب سڑکیں اور بازار لاشوں سے اٹ گئے اور شہر میں زندگی کی نشانیاں ناپید ہو گئیں، انسانوں سے آباد محلے قبرستان کی طرح خاموش ہو گئے تو نادر شاہ نے تلوار نیام میں کر لی۔

لیکن نادر شاہ نے جب خون ریزی بند کرنے کا حکم دیا، دہلی، مردوں کی بستی بن چکی تھی، ہر طرف لاش ہی لاش تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ گلی سڑی لاشوں سے جو تعفن پھیلا وہ ہفتوں جاری رہا اور وبائیں پھوٹ پڑیں، جن پر قابو پانے کے لئے ہنگامی اقدامات کے طور پر تمام لاشوں کو پورے شہر سے جمع کیا اور انہیں آگ میں جلایا جاتا رہا جن میں ہندوؤں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی لاشیں بھی تھیں۔

مسلمان ظالموں کی غلامی میں

دین اللہ سے پہلوتہی اور روگردانی کرنے اور اللہ سے بے خوف اور آخرت سے بے پرواہ ہوکر اپنی زندگی کو ہوا و ہوس کے حوالے کر دینے، عیش کوشی اور دنیا پرستی میں محو ہوکر رہ جانے کی بنا پر پے در پے عذابوں میں مبتلا کر دئے جانے کے بعد بھی امت مسلمہ کے افراد بحیثیت مجموعی لاعلمی و جہالت، اخلاقی پستی و حیا سوزی، بدکرداری اور بے راہ روی، آپس کی نا اتفاقی و کشمکش ہی میں مبتلا رہے، نظامِ حق کے قیام و ترویج سے یکسر منحرف ہی رہے، اللہ کی عبادت و اطاعت کے برعکس طاغوتوں اور شیطانوں ہی کی بندگی بجالاتے رہے تو ان کے حق میں یہ فیصلہ ہو گیا کہ ان ظالموں کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا جائے تاکہ یہ ان کے ظلم و ستم تلے پستے رہیں، کراہتے رہیں اور ان کے تلوے چاٹتے رہیں اور وہ انہیں ایڑ لگاتے رہیں۔ حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ فرمایا تھا:

> دل شکستہ نہ ہو، غم نہ کرو تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔ (اٰل عمران: ۱۳۹)

لیکن اللہ کی یہ نعمت انہیں پسند ہی نہ آتی تھی، اس لئے انہوں نے اپنی حالت کو بدلنے کی کوشش نہیں کی بلکہ یہ فسق و فجور ہی کا اعادہ کرتے رہے۔ طاغوتوں کی عبادت و بندگی کو ترجیح دیتے رہے۔ نظام حق سے دور رہنا ہی اپنے لئے پسند کیا۔ اس طرح یہ غضب و عذاب کو خود ہی دعوت دیتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا ہے:

> عن قریب تمہیں ایسے لوگوں سے لڑنے کے لئے بلایا جائے گا جو بڑے زور آور ہیں۔ تم کو ان سے جنگ کرنی ہوگی یا وہ مطیع ہو جائیں گے۔ اس وقت اگر تم نے حکم جہاد کی اطاعت کی تو اللہ تمہیں اچھا اجر دے گا، اور اگر تم پھر اسی طرح منہ موڑ گئے جس طرح پہلے منہ موڑ چکے ہو تو اللہ تم کو دردناک عذاب دے گا۔ (الفتح: ۱۶)

مغربی استعماریت

سولہویں صدی عیسوی سے لے کر بیسویں صدی عیسوی تک معدودے چند ممالک کو چھوڑ کر پوری مسلم دنیا یکے بعد دیگرے دوسروں کی غلامی کی زنجیروں میں جکڑتی چلی گئی۔ مغربی اور یورپی قومیں انہیں لقمۂ تر سمجھ کر ان پر بے تحاشا ٹوٹ پڑیں اور مسلط ہوتی چلی گئیں اور آبادی کی آبادی چٹ کرتی چلی گئیں۔ یہ وہ قومیں ہیں جو نہایت ہی ظالم و جابر ہیں، اللہ تعالیٰ کی فاسق اور باغی ہیں، جنہوں نے تمام مقبوضہ اور محروسہ مسلم آبادیوں کو اپنے قاہرانہ اور جابرانہ شکنجے میں جکڑ رکھا، جنہوں نے آبادیوں اور شہروں پر قبضہ کر کے ان کا قتل عام کیا، انہیں جلایا، لوٹا، زد و کوب کیا، ان کی عزتوں سے کھیلا، انہیں غلامی کی صعوبتوں میں مبتلا کیا، انہیں گھروں سے بے گھر کیا، ان کی زمینیں ان سے چھین لیں، انہیں ترک وطن پر مجبور کیا، شہروں اور دیہاتوں کو ویران کر ڈالا، نسل کشی کی، غرض کہ وہ سب کچھ کیا جو وہ کر سکتے تھے اور ان کو ان کی اپنی بہیمیت اور سفاکیت نے انہیں جو کچھ بھی سجھایا، ان پر بے دریغ عامل ہوئے۔ ان کی غلامی کی زنجیروں میں مسلم ممالک کے پروئے جانے کی تاریخ سے ایک مختصر سی جھلک پیش ہے۔

۱۵۰۸ء میں پرتگالیوں نے مسقط پر حملہ کر دیا اور قبضہ کر لیا۔ ۱۵۱۱ء میں پرتگالی انڈونیشیا میں داخل ہو گئے اور پھر ڈچ نے بھی اس کے کچھ حصوں پر اپنی نوآبادیات قائم کر لیں۔ ۱۵۵۲ء میں روسیوں نے مسلمانوں کی ریاست قازان پر قبضہ کر لیا۔ ۱۵۵۶ء میں انہوں نے استراخاں پر قبضہ جما لیا۔ ۱۵۸۴ء میں سائبیر یا روس کے قبضے میں چلا گیا۔ ۱۷۱۶ء میں روسیوں نے قازق مسلمانوں کے علاقے پر ہاتھ صاف کیا اور ان کی زمینیں چھین لیں، ان کو جلاوطنی پر مجبور کر دیا گیا اور آبادی کی آبادی قتل کر کے ویران کر دی گئی۔ ۱۷۵۷ء میں انگریزوں نے پلاسی کی جنگ جیت کر ہندوستان کے ایک حصے پر اپنی حکمرانی قائم کر لی، ۱۷۶۴ء میں بکسر میں فتحیاب ہوکر اپنی حکومت کو کافی وسعت دے دی اور بالآخر ۱۷۹۹ء میں میسور پر بھی قبضہ کر لیا۔ غرض کہ ۱۸۰۳ء میں مغلیہ سلطنت پوری طرح انگریزوں کے زیر اقتدار آ چکی تھی، یہاں تک کہ ۱۸۰۸ء میں نام نہاد مغلیہ سلطنت کا بھی خاتمہ کر دیا گیا اور پورے ملک ہندوستان کو برطانیہ کا استعمار بنا لیا گیا۔ ۱۷۷۱ء میں روسی فوجوں نے کریمیا پر حملہ کر دیا اور ۱۷۸۳ء تک آتے آتے پورے ملک کریمیا پر قبضہ کر لیا۔ کریمیا کے کسانوں کی زمینیں چھین لی گئیں اور ان پر ہر طرح کا ظلم و ستم ڈھایا گیا۔ ۱۷۸۶ء میں برٹش ملائشیا میں در آئے اور رفتہ رفتہ تمام ملائی ریاستوں پر اپنا کنٹرول قائم کر لیا۔ اٹھارہویں صدی کے درمیان برونئی کے بیش تر حصے یوروپی استعماریت کے حوالے ہو گئے اور بالآخر ۱۸۸۸ء میں پورا ملک برطانیہ کی تحویل میں آ گیا۔ ۱۷۹۸ء میں فرانس نے مصر پر قبضہ کر لیا۔ ۱۸۰۰ء کے قریب جزائر مالدیپ پر انگریزوں کی بالادستی قائم ہو گئی۔ ۱۸۰۸ء میں برطانیہ نے سیئرالیون پر اپنا قبضہ جما لیا۔ انیسویں صدی کے اوائل میں فرانس نے مڈغاسکر کو اپنی حکمرانی

میں شامل کرلیا۔ ۱۸۲۶ء تک داغستان کے سوا تمام ٹرانس کا کیشیا روس کے قبضے میں آچکا تھا۔ ۱۸۳۰ء میں فرانس الجزائر پر قابض ہوگیا اور ۱۸۴۸ء میں پورے ملک کو اپنے تسلط میں لے آیا۔ ۱۸۳۹ء میں برطانیہ نے عدن پر قبضہ کرلیا۔ ۱۸۳۹ء میں فرانس نے گابون کے ایک حصے پر قبضہ جمالیا اور پھر ۱۸۸۵ء میں پورا گابون اس کی استعماریت میں شامل ہوگیا۔ ۱۸۴۳ء میں برطانیہ نے گیمبیا کو اپنی نوآبادی قرار دے دیا۔ ۱۸۴۳ء میں فرانس نے جزائر قمر کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ ۱۸۴۶ء میں روسیوں نے قزاقستان پر قبضہ کرلیا۔ ۱۸۴۹ء میں فرانس نے گنّی پر اپنا کنٹرول قائم کرلیا اور ۱۸۹۸ء میں مکمل طور پر قابض ہوگیا۔ ۱۸۶۴ء میں روسیوں نے داغستان پر قبضہ جمالیا اور متصرف ہوگیا۔ ۱۸۶۶ء میں روسیوں نے سیر جار کے مقام پر بخارا کی فوج کو شکست دے دی۔ ۱۸۶۴ء ہی میں فرانس نے لبنان اور سینیگال پر مکمل قبضہ کرلیا۔ ۱۸۶۸ء میں روسی سمرقند کے قریب دریائے زرفشاں کے کناروں تک پہنچ گئے اور سمرقند جو علم وادب کا مرکز تھا روسیوں کے حوالے ہوگیا۔ پھر بہت جلد بخارا بھی روسیوں کے تسلط میں آگیا۔ ۱۸۷۳ء میں خیوا روسیوں کے قبضے میں چلا گیا۔ اس کے بعد مرو پر بھی ان کا قبضہ ہوگیا۔ ۱۸۸۱ء میں فرانس نے بینن کو اپنے کنٹرول میں لے لیا۔ ۱۸۸۲ء میں انگریزوں نے مصر پر قبضہ کرلیا۔ دوسری طرف روسیوں نے آذربائیجان کو اپنے قبضے میں کرلیا۔ ۱۸۸۳ء میں فرانس نے ٹونس کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ ۱۸۸۴ء میں جرمنی نے کیمرون پر اپنا تسلط جمالیا۔ پھر جنگ اول کے بعد اس کے کچھ حصے کو برطانیہ اور باقی حصے کو فرانس نے اپنی اپنی تحویل میں لے لیا۔ ۱۸۸۵ء میں صومالیہ کے ایک حصے پر برطانیہ، ایک حصے پر فرانس اور باقی حصے پر ۱۸۸۷ء میں اٹلی نے قبضہ کرلیا۔ ۱۸۹۰ء میں ایک طرف اٹلی نے اریٹیریا پر اپنی استعماریت قائم کرلی تو دوسری طرف برطانیہ نے تنزانیہ پر اپنا تسلط جمالیا۔ ۱۸۹۳ء میں فرانس نے مغربی سوڈان پر مکمل طور پر قبضہ جمالیا۔ ۱۸۹۴ء میں برطانیہ نے یوگینڈا پر اپنا کنٹرول قائم کرلیا۔ ۱۸۹۶ء میں فرانس نے برکینا فاسو پر اپنا قبضہ جمالیا۔ ۱۸۹۹ء میں برطانیہ نے کوویت کو اپنی تحویل میں لے لیا اور سوڈان پر قابض ہوگیا۔ انیسویں صدی ہی کے اواخر میں متحدہ عرب امارات کی سبھی ریاستیں بشمول بحرین اور شام برطانیہ کے ماتحت آچکی تھیں۔ اسی طرح پرتگالیوں نے عرصہ دراز تک موزمبیق پر اپنی حکمرانی مسلط رکھی اور فرانسیسیوں نے آئیوری کوسٹ پر اپنا تسلط جمائے رکھا۔ ۱۹۰۰ء میں فرانس نے نائیجیریا پر پوری طرح اپنا تسلط قائم

کرلیا۔ ۱۹۰۴ء میں فرانس نے موریتانیہ کو اپنی محروسہ ریاست قرار دے لیا۔ اور ۱۹۲۰ء میں اسے اپنی نوآبادی کا درجہ دے دیا۔ ۱۹۱۲ء میں اسپین نے شمالی مراقش یعنی ریف پر اور فرانس نے مراقش کے باقی حصوں پر اپنا قبضہ جمالیا۔ ۱۹۱۶ء میں ایک طرف برطانیہ نے قطر کو اپنے ماتحت کرلیا اور دوسری طرف اٹلی نے لیبیا پر اپنی نوآبادی قائم کرلی۔ ۱۹۱۷ء میں سوویت روس نے ازبکستان کو اپنے قلمرو میں شامل کرلیا اور ۱۹۱۸ء میں ترکمانستان کو اپنے ممالک کا حصہ قرار دے لیا۔ ۱۹۲۰ء میں برطانیہ نے اردن کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ ۱۹۲۴ء میں سوویت روس نے کرغیزستان پر قبضہ کرکے روس میں شامل کرلیا۔ ۱۹۲۹ء میں سوویت روس نے تاجکستان کو اپنے میں ضم کرلیا۔ ۱۹۴۸ء میں فلسطین پر مغربی اقوام نے بزورِ قوت یہودیوں کو اس طرح مسلط کردیا کہ اسرائیل کے نام سے انہیں ایک ریاست بخش دی اور وہاں کے باشندوں کو یہودیوں کا غلام بننا پڑ گیا وہ ملک بدر ہوکر زندگی گزارنے پر مجبور کردیئے گئے۔ پھر ۱۹۶۷ء میں ریاست اسرائیل کے ذریعہ بیت المقدس مسلمانوں سے چھین لیا گیا۔ ۱۹۷۳ء میں افغانستان روسی فوجوں کے حوالے ہوگیا۔ جنہوں نے ۱۹۹۰ء میں افغانستان کو خالی کیا لیکن پھر ۲۰۰۱ء میں امریکیوں نے اس پر قبضہ کرکے اسے تباہ و برباد کرڈالا۔ ۱۹۹۱ء میں عہد فاروقی کے بعد پھر سے جزیرۃ العرب میں یہود و نصاریٰ واپس آگئے۔ ۲۰۰۳ء میں امریکیوں نے اپنے اتحادیوں کے ساتھ مل کر پورے عراق پر قبضہ کرلیا اور ایک بار پھر پورے ملک کو تباہ و برباد کرڈالا۔ اور اب ایران کی باری ہے۔ اس پر حملے کرنے اور تاخت و تاراج کرنے کے لئے پر تولے جارہے ہیں۔ کسی بھی وقت وہاں قیامت خیزی ممکن ہے۔

غلامی کی حرماں نصیبی

یہ ذلت آمیز غلامی اور محکومی، ظلم و بربریت، قتل و خون، سفاکی و بہیمیت اور نسل کشی و بے رحمی بھی اپنے ساتھ لائی۔ تاریخ سے غلامی کے چند واقعات بطور مثال پیش ہیں:

روسیوں نے قازان اور استراخان کی مسلم ریاستوں اور اپنے آس پاس کے تمام مسلم علاقوں پر قبضہ کرکے ان پر اپنی بالادستی قائم کرلی۔ اس طرح روس ایک اتنا بڑا ملک بن گیا کہ ۱۹۹۰ء تک پوری دنیا کے چھٹے حصے کو اپنے قلمرو میں شامل کرچکا تھا، جس کے مغربی سرے سے مشرقی

سرے تک تقریباً دس ہزار کلومیٹر کا فاصلہ تھا اور شمال سے جنوب تک چھ ہزار کلومیٹر، جس کے مشرقی سرحد پر صبح ہوتی تو مغربی سرحد پر شام ہو رہی ہوتی۔ روسیوں نے یہ طریقہ اپنا رکھا تھا کہ ریاستوں، علاقوں، شہروں اور آبادیوں کو فتح کرنے کے بعد اپنی مقبوضہ آبادیوں پر ہر طرح کے ظلم وستم، سفا کی و بربریت اور خون خرابے کا زبردست سلسلہ شروع کر دیتے۔ بے تحاشا مردوں، عورتوں اور بچوں کو قتل کر دیتے۔ انہیں غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیتے۔ ان کے گھروں کو لوٹ لیتے۔ عورتوں کی برسرعام آبروریزی کرتے اور پھر انہیں قتل کر کے ان کی لاشیں پھینک دیتے تاکہ وہ سڑ گل جائیں۔ قتل عام کر کے شہر کے شہر ویران کر دیتے۔ لوگوں کی زمینیں چھین کر انہیں جلاوطن کر دیتے۔

سوویت روس نے جس قدر وسیع پیمانے پر اور منظّم طریقے سے مسلمانوں کا قتل عام کر کے انہیں بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکنے اور مٹا ڈالنے کے منصوبے پر عمل کیا، بالخصوص جوزف اسٹالن کے زمانے میں روسیوں کی سفا کی اور درندگی کے سامنے چنگیز خاں، ہلاکو خاں اور تیمور کی وحشیانہ خون ریزیاں بھی ہیچ ہیں۔ ان ظالموں کی ٹولیوں ہی سے اٹھنے والے لوگ بھی اقرار کرتے ہیں کہ انسانوں اور خصوصاً مسلمانوں کے قتل عام میں روسی کمیونسٹ ماضی کے سفاک سے سفاک ترین وحشیوں پر بھی سبقت لے گئے۔ ۱۹۳۰ء میں قازق خانہ بدوشوں کو بستیوں میں آباد ہونے پر مجبور کیا گیا، لیکن وہ لوگ مزاحم ہوئے، نتیجہ یہ ہوا کہ دس لاکھ سے زائد قازق مسلمان ہلاک کر دیئے گئے۔ ۱۹۴۴ء میں کریمیا کے تمام مسلمان تاتاریوں کو روسی فوج کے تاتاری افسروں اور سپاہیوں سمیت پکڑ لیا گیا اور سائبیریا اور قازقستان کے برفستانوں میں بھیج دیا گیا تاکہ وہ برف میں جم کر رہ جائیں۔ ان سزا پانے والے تاتاریوں کی تعداد تین لاکھ تھی۔ جنوبی جارجیا سے دو لاکھ ترک اور کُرد مسلمانوں کو نومبر ۱۹۴۴ء ہی میں کسی ظاہری سبب کے بغیر گھروں سے نکال کر قازقستان کے دور دراز منجمد ویرانوں میں ڈال دیا گیا۔ ان میں سے کم از کم پچاس ہزار افراد راستے کی صعوبتوں کے باعث دم توڑ گئے۔ ان کا واحد جرم جس کی انہیں سزا دی گئی وہ ان کا مسلمان ہونا تھا۔ ۱۹۴۴ء ہی میں چیچنیا اور انگشتیا کے بیش تر مسلمانوں کو گرفتار کر لیا گیا اور سائبیریا جلا وطن کر دیا گیا۔ اسی کے ساتھ کراچے اور بلقاء کے علاقوں کے مسلمانوں کو بھی جلاوطن کر دیا گیا۔ ان جلا وطن مسلمانوں کی تعداد آٹھ لاکھ سے زائد تھی۔

غرض کہ ۱۹۱۷ء میں کمیونسٹ انقلاب آنے سے قبل تک روسی زاروں کی مسلم دشمنی کے تحت انہیں ختم کرنے کی کوششوں کے باوجود روس کے مقبوضہ یا اس کے ماتحت مسلم علاقوں میں مسلمانوں کی آبادی کا تخمینہ تین کڑور سے زائد کا تھا۔ جب کہ ۱۹۳۹ء میں سرکاری مردم شماری کے مطابق یہ تعداد گھٹ کر دو کڑور چالیس لاکھ تھی۔ اس طرح بائیس سالوں کے دوران ان میں اضافے کے باوجود ساٹھ لاکھ کی کمی ہوگئی۔ اس طرح ایک اندازے کے مطابق کم از کم ایک کڑور مسلمانوں کا صفایا کر دیا گیا۔ روسیوں نے افغانستان پر قابض ہو کر ۱۹۷۹ء سے لے کر ۱۹۸۹ء تک دس لاکھ بے قصور افغانیوں کو قتل کر ڈالا۔

بغرض اختصار یہ جگر خراش داستان صرف روسی روسیاہوں کی پیش کی گئی ورنہ دنیا کی تمام ہی قومیں انسانوں اور بالخصوص مسلمانوں کے حق میں کم وبیش ایسی ہی سفا کی اور درندگی کا مظاہرہ کرتی رہی ہیں، اور آج بھی کر رہی ہیں۔ خود ہندوستان میں برطانوی تسلط اور اس کے نتیجے میں ان کی بے دردی و بے رحمی، سنگ دلی وسفا کی، ظلم و بربریت اور قتل وغارت گری، اپنی مثال آپ ہے۔

۱۸۵۷ء ----- برطانوی بربریت

مقبرہ ہمایوں میں بہادر شاہ ظفر کی گرفتاری کے ساتھ ۱۸۵۷ء کی انقلابی جدوجہد دم توڑ گئی۔ یوں تو ۱۷۰۷ء (سال وفات اورنگ زیب عالمگیر) سے ۱۸۵۷ء تک کسی مغل بادشاہ کا زمانہ ایسا نہیں گزرا جو سنگین حادثات اور خونیں واقعات سے خالی ہو۔ لیکن آخری حادثے میں مغلیہ سلطنت کی تباہی کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے مسلمانوں کو بھی آگ کے دریا میں جھونک دیا گیا۔ انگریزوں نے شاہی خاندان کے افراد کے علاوہ مسلمان عمائدین، علماء، امراء، اور عام مسلمانوں پر مظالم کے جو پہاڑ ڈھائے وہ ایٹلا، چنگیز، ہلاکو، تیمور اور نادر شاہ پر گوئے سبقت لے گئے۔ انگریزوں کے خود اپنے مورخوں نے یہ تسلیم کیا ہے کہ یہ جذبۂ انتقام میں بہیمیت کی حد تک چلے گئے تھے۔ جان نکلسن نے ایڈورڈ کو لکھا کہ ہمیں دہلی میں عورتوں اور بچوں کے قاتلوں کی زندہ کھال اتارنے یا انہیں جلانے کا قانون منظور کرنا چاہیے۔ اسی طرح سرکاری سطح پر جو ہدایات جاری کی گئیں وہ بہت سخت تھیں۔ مثلاً جنرل نیل نے میجر رینالڈ کو لکھا جو کانپور کمک فراہم کرنے جا رہا تھا کہ مبگون کے دیہات اور گردونواح پر حملہ کر کے انہیں تباہ کر دیا جائے، تمام مردوں کو قتل کر دیا جائے، فتح پور پر حملہ کیا جائے، پٹھان محلوں کو تباہ کر کے وہاں سب کو قتل کر دیا جائے اور ان کو عبرت کی مثال بنا دیا

جائے۔ چنانچہ ان ہدایات پر سختی سے عمل کیا گیا۔ الہ آباد، کانپور اور دہلی میں جیسے ہی برطانوی دستے پہنچے، بے دریغ قتل عام شروع کر دیا گیا۔ دہلی میں بے شمار لوگوں کو پھانسیاں دے دی گئیں۔ بقول مولانا غلام رسول مہر ”۱۶ ستمبر ۱۸۵۷ء کو دہلی میں انگریزوں نے جو آگ بھڑکائی تھی اس میں مہینوں تک شہر دہلی کا سرمایۂ جان و مال و آبرو خس و خاشاک کی طرح جل جل کر خاکستر ہوتا رہا۔ انگریزوں کے ظلم و بربریت کے سامنے نادر اور تیمور کی خون ریزیاں کوئی اہمیت نہیں رکھتیں۔“

۱۴ ستمبر ۱۸۵۷ء کو جب انگریزی فوج شہر میں داخل ہوئی اور اس کے کافی حصے پر قبضہ کر لیا تو شہر کے مسلمان باہر بھاگنے لگے، بے شمار لوگ بیوی بچوں کو لے کر دیہاتوں اور جنگلوں میں چلے گئے، جہاں جرائم پیشہ گوجروں اور میواتیوں نے انہیں لوٹنا شروع کر دیا۔ ہندوؤں کی بیش تر آبادی مقیم رہی کیوں کہ انہیں کوئی خطرہ نہ تھا۔ قبضہ کے بعد تین دنوں تک انگریزی فوج کو دہلی میں کھل کر لوٹ مار اور قتل و غارت گری کی سرکاری طور پر اجازت دے دی گئی۔ شہر بدر ہونے والے مسلمانوں کو مارچ ۱۸۵۸ء تک واپس آ کر آباد ہونے کی اجازت نہ تھی۔ وہ ایسی کس مپرسی کی حالت میں تھے کہ ان کے پاس کچھ نہ تھا اس لیے کہ ان میں سے کسی کے پاس کچھ تھا بھی تو اسے گوجروں اور میواتیوں نے لوٹ کر انہیں ننگا کر دیا تھا۔ چنانچہ اس عرصے میں بے شمار مسلمان جنگلوں اور ویرانوں میں سسک سسک کر مر گئے۔ دو سال تک مسلمانوں کو دہلی میں خصوصی اجازت نامے کے بغیر چلنے پھرنے کی اجازت نہ تھی اور وہ بے روزگار تھے۔ مسلمانوں کی بڑی بڑی حویلیاں اور وسیع مکانات انگریزوں نے ضبط کر لئے اور ہندوؤں کو الاٹ کئے جاتے رہے۔

مولانا غلام رسول مہر نے سید کمال الدین حیدر کی ”قیصر التواریخ“ کے حوالے سے ۱۸۵۷ء میں انگریزوں اور ان کے ایجنٹوں کے ہاتھوں مسلمانوں کی ہلاکتوں کی تفصیل اس طرح لکھی ہے: ”ستائیس ہزار اہل اسلام نے پھانسی پائی، سات دن برابر قتل عام ہوتا رہا۔ جس کا حساب نہیں۔“ گویا مرنے والے مسلمانوں کی مجموعی تعداد پھانسی پانے والوں سے بھی زیادہ تھی۔ انگریزوں کے علاوہ سکھوں نے بھی مسلمانوں کا بے دریغ خون بہایا اور انہیں خوب لوٹا۔ ان کے علاوہ ویرانوں میں بھوک پیاس اور بیماری سے مرنے والوں کی تعداد الگ ہے، جس کا حساب نہیں۔ محتاط اندازے کے مطابق اس طرح مرنے والے مسلمانوں کی تعداد کم از کم ایک لاکھ سے لے کر دو لاکھ کے درمیان بتائی جاتی ہے۔ شہر تقریباً خالی ہو چکا تھا۔ ہر طرف سناٹے کا عالم تھا اور

صرف لاشیں ہی لاشیں پڑی ہوتی تھیں۔ جنہیں کتے، بلی اور دیگر جانور بھنبھوڑتے نظر آتے تھے، یا گِدھوں کی بہار آئی ہوئی تھی۔

پھانسیوں کا سلسلہ دہلی کے علاوہ دیگر مقامات پر بھی روا رکھا گیا۔ الہ آباد اور کانپور کے علاقوں میں فوجی افسر نیل نے پھانسی کا ایسا بازار گرم کیا کہ رکارڈ قائم ہو گئے۔

غرض کہ بے دردی، سفاکی اور شقاوت میں انگریزوں نے تاریخ کے شہرت یافتہ فاتحین کو پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ اور ایسے ایسے مظالم ڈھائے جن کو سن کر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔

اس طرح وہ خیر امت جس کو اللہ تعالیٰ نے چارہ گر بنا کر اٹھا کھڑا کیا تھا وہ خود ہی چارہ جو بن کر رہ گئی، غیروں کے سامنے رحم کی بھیک مانگنے پر مجبور ہو کر رہ گئی اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جان گنواتی رہی۔

اور پھر جب مصیبتیں نازل ہوتی ہیں تو ان کی لپیٹ میں صرف ظالم، غاصب، فاسق، فاجر، ملحد، مشرک، شریر، فتنہ پرور اور فتنہ جو ہی نہیں آتے بلکہ ان کے درمیان رہنے بسنے والے نیک اور صالح لوگ بھی پس جاتے ہیں۔ ایسے وقت میں نیک لوگوں کی دعائیں بھی مقبول نہیں ہوتی ہیں خواہ وہ اپنے حق میں دعائیں مانگیں یا اوروں کے حق میں۔

۱۹۲۴ء --- تباہی خلافت عثمانیہ

۱۹۲۳ء میں نمائشی خلافت عثمانیہ کا سرکاری طور پر خاتمہ کر دیا گیا اور خلافت کو بچانے کی جدوجہد میں مصروف عثمانیوں کی رگوں سے سارا خون نچوڑ لیا گیا۔ بلقان کی جنگ میں ان کے لاکھوں جوان قتل ہو گئے۔ پہلی جنگ عظیم میں ترکوں کا بے حساب جانی نقصان ہوا۔ شاید ہی کوئی گھرانہ ہو جہاں کسی نہ کسی کا خون نہ بہا ہو۔ اس کے ساتھ ہی ترکستان کا جغرافیہ ہی بدل گیا۔ وہ سلطنت جو کبھی موجودہ ترکی کے علاوہ اناطولیہ، آسٹریا، ہنگری، مصر، ٹیونس، لیبیا، مراقش، جزیرہ نمائے عرب، شام، فلسطین، عراق، رومانیہ، مالدیویا، ٹرانسلوینیا، یونان، جزیرہ کریٹ، جزیرہ قبرص، رومیلیا، بلغاریہ، آرمینیا، مانٹینیگرو، سربیا، بوسنیا، ہرزیگووینیا، داغستان، آذربائیجان، کاراباغ، کریمیا وغیرہ پر مشتمل تھی، جو تین براعظموں سے منسلک چالیس لاکھ مربع میل سے زائد رقبہ پر محیط، کروڑوں کی آبادی پر مشتمل وسیع و عریض سلطنت تھی، ۱۹۲۴ء تک آتے آتے سمٹ کر اب ایک چھوٹی سی ریاست بن کر رہ گئی جہاں صرف ترکی بولنے والے آباد ہیں:

اور ہم نے کئی ایسی بستیاں ہلاک کر دیں جو اپنی خوش حالی و عیش پر نازاں تھیں، پھر ان کی جگہ وہاں کم ہی لوگ پھل پھول سکے اور بالآخران سب کے وارث ہم ہی ہوئے۔ (القصص: ۵۸)

دیگر تباہیاں

۱۹۹۲ء تا ۱۹۹۶ء کے دوران سربیوں کے ہاتھوں تقریباً دولاکھ چالیس ہزار بوسنیائی مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ ایک لاکھ بوسنیائی عورتوں اور بچیوں کی نسلی تطہیر (Ethnic Cleansing) کے نام پر جنسی تشدد اور اجتماعی آبروریزی کا نشانہ بنایا گیا۔ اس سے کچھ ہی کم تعداد کو لاپتہ کر دیا گیا اور باقی ماندہ لوگوں کو دہشت زدہ بنا کر رکھ دیا گیا۔

زیپا، تزلہ، سربرنیکا کی بڑی بڑی مسلم آبادیاں دیکھتے دیکھتے آنکھوں سے اوجھل ہو گئیں۔ صرف ایک رات ۱۱؍ جولائی ۱۹۹۵ء کے درمیان سربرنیکا کے بیس ہزار مسلم نوجوان اور بچوں کو بے دردی سے قتل کر کے موت کی نیند سلا دیا گیا۔ بالائے غضب یہ کہ یہ سانحۂ عظیم اس شہر میں پیش آیا، جس کی نگرانی اقوام متحدہ کی فوج کر رہی تھی۔ نوجوانوں کو قتل کر کے اجتماعی قبروں میں ڈال دیا گیا۔ عورتوں اور نوعمر بچیوں کو قید کر کے انہیں جنسی ہوس کا نشانہ بنایا گیا۔ ساری دنیا نے ان دردناک مناظر کو خبروں کی صورت میں اپنی آنکھوں سے ٹیلی ویژن کے پردے پر دیکھا۔

سربیا کے پاس جنگی جہاز، میزائل، ٹینک اور بکتر بند گاڑیوں کا ذخیرہ تھا۔ جب کہ بوسنیائی مسلمانوں کے پاس اپنی دفاع کے لئے بندوقیں بھی نہ تھیں اور اس پر مستزاد یہ کہ اقوام متحدہ کے ذریعہ بوسنیائی مسلمانوں کے اسلحے کی فراہمی پر پابندی عائد کر دی گئی اور سرب فوجوں کو نسلی تطہیر کا پورا موقع فراہم کر دیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آدھی سے زیادہ بوسنیائی مسلم آبادی ختم ہو گئی۔

صدام حسین کو مہرہ بنا کر کوویت کا مسئلہ کھڑا کیا گیا اور اس مسئلے کو بہانہ بنا کر امریکہ نے اپنے اتحادیوں کی حمایت اور تعاون کے ساتھ عراق پر اس قدر بمباری کی کہ پچھلے دنوں شائع ہونے والے اقوام متحدہ کی رپورٹ کے مطابق ان بموں کے اثرات سے صرف پچاس لاکھ سے زائد شیرخوار بچے لقمۂ اجل بن گئے۔

اسی اثنا میں روسی درندگی نے بھی ایک بار پھر سر ابھارا۔ روسی فوجوں نے چیچین مسلمانوں کا

قتل عام کیا۔ رپورٹ کے مطابق دسمبر ۱۹۹۴ء سے جون ۱۹۹۶ء تک چالیس ہزار غیر فوجی عوام کو موت کی نیند سلا دیا گیا، جب کہ حقیقی اموات اس سے کہیں زیادہ ہیں۔ اس بے تحاشہ قتل عام کے نتیجے میں دولاکھ چیچین انگشیتیا کے اوسیتیا علاقے میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ اس طرح سے چیچنیا سے تقریباً آدھی آبادی یا تو روسی بربریت کا شکار ہو گئی یا ملک چھوڑ کر بھاگ جانے پر مجبور کر دی گئی۔ گروزنی کا شاید ہی کوئی گھر بچا ہو جس پر روسی فضائیہ نے بم باری نہ کی ہو۔

ادھر گروزنی سے لے کر سراجیوو تک مسلمان آگ میں جھونکے جا رہے تھے اور وہ خون سے لت پت تھے، ادھر غاصب صیہونی فوجوں نے فلسطینی عوام کو نیست و نابود کرنے کی قسم کھا رکھی تھی۔ اسرائیلی فوجوں نے نہ صرف اسکول جاتے ہوئے فلسطینی بچوں پر بے تحاشہ گولیاں چلا کر انہیں بھون ڈالا بلکہ معصوم فلسطینی بچوں کو ٹینکوں تلے بھی کچل ڈالا گیا اور شیرخوار بچوں کو ان کی ماؤں سے چھین چھین کر آسمان میں اچھال اچھال کر گولیوں سے اڑا کر قہقہے لگائے گئے۔

پھر ۱۱؍ ستمبر کا واقعہ پیش آتا ہے جس کی بغیر کسی ثبوت کے ساری ذمہ داری افغانستان کی طالبان حکومت کے سر تھوپ دی گئی۔ حالاں کہ بے چارے کہاں افغانستان کے ننگے بھوکے لوگ اور کہاں عالمی تجارتی مرکز (World Trade Centre) پر ہوائی جہاز سے اعلیٰ ٹکنالوجی اور اعلیٰ مہارت کے ساتھ حملہ، ان میں کوئی مماثلت نہیں ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ بھوٹان نے اپنے راکٹ مریخ تک پہنچا دیئے ہیں۔ بہر حال ۲۰۰۱ء میں بے چارے افغانی عوام کو اس ناکردہ جرم کی پاداش میں ایسی دردناک سزا دی گئی کہ انسانیت کانپ اٹھتی ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے افغان آبادی کا ایک بڑا حصہ موت کی آغوش میں چلا گیا اور طالبان حکومت کا خاتمہ کر دیا گیا۔

دوا اور غذا کی عدم فراہمی کے باعث نیم مردہ عراقی عوام پر ۲۰۰۳ء میں امریکی اور برطانوی فوجیں ایک بار پھر پورے لاؤ لشکر اور جدید اسلحوں کے ساتھ حملہ آور ہو گئیں اور پورے عراق کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ دہشت گردی کی اس بدترین شکل کو دہشت گردی کے خلاف جنگ (War on Terror) کا نام دے دیا گیا۔

امریکہ کی متعدد رپورٹیں اس سلسلے میں منظر عام پر آ چکی ہیں، جن کے مطابق امریکہ نے افغانستان، عراق اور ایران پر حملے کا فیصلہ ۱۱؍ ستمبر سے قبل ہی کر لیا تھا۔ پھر ۱۱ ستمبر کے واقعے کو بہانہ بنا کر ان پر حملے کے لئے جواز فراہم کرنے کی سازش رچی گئی۔

> بادشاہ جب کسی ملک میں گھس آتے ہیں تو اسے خراب کر دیتے ہیں اور اس کے عزت داروں کو ذلیل و رسوا کر دیتے ہیں۔ بس یہی سب کچھ وہ کیا کرتے ہیں (اچھائی کی ان سے امید رکھنا ہی غلط ہے)۔ (النمل:۳۴)

کہاں تو وہ عالم تھا کہ مسلمانوں کے دم قدم کی برکت سے مشرق و مغرب کو روشنیاں مل رہی تھیں، سکھ چین اور خوش حالی ان کے قدم چورم رہی تھیں، ان کے لئے حق و انصاف کے دروازے کھلتے جا رہے تھے اور انسانیت کا مفہوم ان کے ذہنوں میں مرتسم ہو رہے تھے۔ لیکن جب خود مسلمان نظام حق --- دین اللہ سے منحرف ہو گئے، اللہ کی نازل کی ہوئی روشن ہدایات سے چشم پوشی اختیار کر لی، احکام خداوندی کو یکسر بدل ڈالا، دنیا پرستی، عیش پسندی، جھوٹی شان و شوکت اور ظلم و زیادتی کے دلدادہ ہو گئے اور مختلف النوع جہتوں سے آپسی اختلافات میں مبتلا ہو گئے۔ ایک دوسرے خون کو حلال کر لیا، یہود و نصاریٰ کی نقالی شروع کر دی، ان سے رفاقت و معاشرت کی پینگیں بڑھانے لگے، اپنے ہی بھائیوں کے خلاف ان کی حمایت اور معاونت کے جویا ہو کر ان کے سامنے جبہ سائی کرنے لگے اور یہود و نصاریٰ اور دوسری قوموں کی ان تمام خرابیوں میں مبتلا ہو گئے جن سے انہیں بچنے اور جن کے قریب بھی نہ پھٹکنے کی سخت تاکید کی گئی تھی، تو ایسی صورت میں اسلام دشمن عناصر اور ان ہی قوموں نے جنہیں مغضوب اور ضالین کے خطابات سے نوازا گیا تھا، نظام عالم پر بڑی ہی آسانی اور سرعت کے ساتھ قابض و متصرف ہونا شروع کر دیا۔ وہ تو موقع ہی کی تلاش میں تھے۔ اور پھر یہ کہ وہ قابض اور متصرف ہی نہیں ہوئے بلکہ مغلوب و محکوم مسلمانوں پر ہر طرح کے ظلم و تشدد کو روا رکھا، ان کا عرصۂ حیات تنگ کر کے رکھ دیا، ان کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کی اپنی سی ہر طرح کی کوششیں کر ڈالیں، ان کی عزت و آبرو کو خاک میں ملا دیا، انہیں محکومی و غلامی کی ذلت آمیز زنجیروں میں جکڑ دیا اور ذلیل و خوار بنا کر رکھ چھوڑنے کے لئے طرح طرح کے ہتھکنڈے آزمانے لگے، حتی کہ وہ سب کچھ کرنے لگے جو شیطان اور ان کے شاگرد کر سکتے تھے:

> اے انسان! تجھے جو بھلائی بھی ہوتی ہے اللہ کی عنایت سے ہوتی ہے اور جو مصیبت بھی تجھ پر آتی ہے وہ تیرے اپنے کسب و عمل کی بدولت ہے۔ (النساء:۷۹)

☆☆☆

باب—۹

یہود

یہود نے ساری دنیا بالخصوص مسلم ممالک اور علاقوں پر غلبہ وتسلط قائم کرنے کے لئے بتدریج پہلے تقریباً پوری دنیا کو یوروپ کے مختلف ممالک، اسپین، پرتگال، روس، جرمنی، اٹلی، فرانس اور برطانیہ کے حوالے کیا۔ پھر ان قطبوں کی تعداد بتدریج گھٹائی جاتی رہی۔ اس طرح اسپین، پرتگال، جرمن اور اٹلی کی استعماریت رفتہ رفتہ کم یا ختم ہوتی چلی گئی۔ بالآخر فرانس اور برطانیہ کو بھی اپنی اپنی قطبیت سے ہاتھ دھونا پڑا اور ان سبھوں کی جگہ ادھر امریکہ کے نفوذ واثرات بڑھتے چلے گئے، یہاں تک کہ دوسری عالمی جنگ کے بعد روس اور امریکہ دو قطب میدان میں رہ گئے۔ پھر جب ان دونوں کی بھی ضرورت باقی نہ رہی تو روس کو بھی چاروں خانے چت گرا دیا گیا اور اب دنیا میں صرف ایک قطب امریکہ باقی رہ گیا ہے اور امریکہ کے گرد ساری دنیا کو تابع کر دیا گیا، اس لئے کہ یہود کو اپنی عالمی حکومت کا مرکز امریکہ ہی کی سرزمین کو بنانا تھا۔

کہنے کو تو آج تقریباً تمام ہی مسلم ممالک اور ریاستیں اغیار کی غلامی سے نجات پا چکی ہیں، وہ آزادی کی سانس لے رہی ہیں، ان کی حکومتیں خود ان کے اپنے ہی ہاتھوں میں ہیں، اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق اپنی زندگی گزار رہے ہیں، کوئی ان کے سد راہ نہیں ہے، یہاں تک کہ بعض حکومتیں تو انتہائی تیز رفتار ترقی کی راہوں پر گام زن ہونے کا دعویٰ تک کرتی ہیں، اپنی خوش حالی اور فارغ البالی کا جشن بھی مناتی ہیں، لیکن یہ سب کچھ محض دھوکہ ہے۔ اول تو یہ ممالک جو اپنے آپ کو آزاد سمجھتے ہیں، اصلاً آزاد نہیں ہیں۔ ہاں ان کی غلامی کی شکل ضرور بدل گئی ہے، ورنہ ان کی محکومی اور غلامی میں ذرہ برابر کوئی فرق نہیں آیا ہے۔ اب مغربی حکمراں نظامِ حکومت کو چلانے اور قائم رکھنے کیلئے براہ راست اپنی ہی قوم اور اپنے ہی ملک کے نمائندوں کو نہیں بھیجتے اور نہ ہی انھوں نے اپنی فوجیں ہر ملک میں متعین کر رکھا ہے، بلکہ ریموٹ کنٹرول کے ذریعہ اپنے ملک کے نمائندوں اور اپنی فوج کے بغیر اپنے ہی ملک سے بیٹھے بیٹھے وہ سب کچھ کر لیتے ہیں جو ان

ممالک پر براہ راست قابض ہو کر کر سکتے تھے۔ ان کا ریموٹ کنٹرول اس طرح کام کرتا ہے کہ ان کے نمائندے اب محکوم ممالک ہی سے حاصل کر لیے جاتے ہیں جو اپنے آقاؤں کے منصوبوں اور فیصلوں کو عملی جامہ پہناتے رہتے ہیں۔ چنانچہ آج اسلام آباد اور ریاض ہی میں نہیں بلکہ تمام ریاستوں کی سیاسی، معاشی، معاشرتی، اخلاقی اور تعلیمی پالیسیاں واشنگٹن ہی میں مرتب کی جاتی ہیں، جن کا نفاذ محکوم ممالک میں ہوتا ہے اور جن پر وہ عمل کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ دوئم اگر مقابلۃً دیکھا جائے تو موجودہ بالواسطہ غلامی کئی لحاظ سے سابقہ براہ راست غلامی سے بھی بدتر ہے، اس لئے کہ اس وقت ان محکوموں کو اپنی محکومی کا پورا پورا احساس و شعور ہوتا تھا، لیکن اس غلامی میں تو انہیں اپنی غلامی کا احساس و شعور تک نہیں ہے۔ پہلے لارڈ ماؤنٹ بٹن چونکہ لندن سے بھیجا گیا تھا اس لئے اس کی حاکمیت کے تحت اس ملک کے لوگ اپنے آپ کو غلام سمجھتے تھے لیکن اب چوں کہ پاکستان ہی کے باشندے پرویز مشرف کو واشنگٹن نے اپنا حاکم بنا کر پاکستان پر مسلط کر دیا ہے اس لئے اس کی ماتحتی کو پاکستانی اپنی غلامی تصور نہیں کرتے۔ پھر ان مسلط کردہ حکمرانوں اور دوسرے رہنماؤں کا یہ وظیفہ قرار پاتا ہے کہ وہ جیسے بھی ہو مسلمانوں کے ذہن و فکر کو اپنے آقاؤں کے حق میں ہموار کریں۔ چنانچہ پرویز مشرف بھی واشنگٹن ہی کی ہدایت و حکم کے مطابق وہی سب کچھ کر رہا ہے جو لارڈ ماؤنٹ بٹن لندن کی ہدایت و حکم کے مطابق کیا کرتا تھا۔ پاکستان کے تعلق سے سارے کے سارے سیاسی، معاشرتی اور تعلیمی فیصلے واشنگٹن ہی میں ہوا کرتے ہیں، جن کی تعمیل پاکستان کے حکمراں، رہنما، مصلحین وغیرہ سبھی کرتے ہیں۔ کیوں کہ وہ اگر ایسا نہ کریں تو خود نہ صرف اپنے عہدوں اور مناصب سے محروم کر دئے جائیں گے بلکہ مزید برآں سزاؤں کے مستحق قرار پائیں گے۔ اور پھر وہ ایسا کیوں نہ کریں جب کہ ان کے عہدے اور مناصب ان کے انہیں آقاؤں کی دین ہوتی ہے۔ تمام نام نہاد مسلم مملکتوں کے حکمرانوں بشمول حرمین شریفین کے نگراں سعودی حکمرانوں تک کا یہی حال ہے۔ یہ معاملہ صرف حکومتی سطح تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ زندگی کے جملہ میدانوں میں امریکی ایجنٹ ان ہی محکوم قوموں اور برادریوں اور ان کے ہم وطنوں سے منتخب کر کے مسلط کیے جاتے ہیں۔

ایسے ناگفتہ بہ حالات میں بھی جن لوگوں نے دین اللہ کو اپنے سینے سے لگائے رکھا، اس پر خود بھی عامل رہے اور اس کی بازیابی کی کوششیں بھی کرتے رہے، بلاشبہ وہ قابل مبارک باد ہیں۔

اس طرح کے لوگوں سے دنیا یکسر خالی نہیں رہی اور ہر طرح کے فتنہ و فساد، بدعقیدگیوں، ضلالتوں، جہالتوں اور بدعتوں کے خلاف وہ صف آرا بھی ہوتے رہے اور جو کچھ بھی اور جتنا کچھ بھی لوگوں کے دست برد سے بچتا نظر آیا، اس کے وجود کو برقرار رکھنے اور اس کی حفاظت کرنے کی حتی الامکان کوششیں بھی کرتے رہے۔ لیکن اول تو ایسے لوگ معاشرے میں نہایت ہی قلیل اور بے بضاعت اور بے بساط ہوا کرتے ہیں۔ لہٰذا، ارباب اقتدار اور ارباب اثر و رسوخ کی حشر سامانیوں کے مقابلہ میں وہ بے بس تھے، ان کی آوازیں تادیر قائم نہیں رہ سکیں۔ ان کے کارناموں کے رکارڈ بھی محفوظ نہیں رکھے جا سکے۔ دوئم یہ کہ انہیں اپنے پیغامات کے خاطر خواہ مشتہر کرنے کے وسائل مہیا نہ تھے۔ تمام ذرائع و وسائل پر ان کے مخالفین کا قبضہ تھا۔ لہذا ان کے اثرات معاشرے پر تادیر قائم نہیں رہ پاتے۔ حتی کہ آج بھی کوئی حق بات کہہ کر دیکھ لے، ہر چہار اطراف سے دین کے ٹھیکیداروں کی جانب سے اس کی کیسی خبر لی جاتی ہے۔

قوم بنی اسرائیل جس نے اپنے آپ کو قوم یہود کے نام سے موسوم کر لیا اور اپنے لیے یہی نام پسند کیا، اور اب یہ اپنے عالم گیر تحریک وطن کے نتیجے میں صیہونی بھی کہلاتے ہیں، کی تاریخ اللہ تعالیٰ اور اس کے دین مبین اسلام سے روگردانی، کفر، فسق، سرکشی اور بغاوت ہی کی تاریخ نہیں ہے بلکہ اپنے خالق و مالک، آقا و مربی اور رازق و منعم اللہ سے ازلی دشمنی کی تاریخ بھی ہے۔ انہیں ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ کے دین کو زک پہنچانے، اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابوں کو مسخ کرنے اور اللہ کے بندوں کو اپنا بندہ بنانے، ان پر ہر طرح کے ظلم و ستم کو روا رکھنے اور اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسولوں اور نبیوں کو قتل کر دینے میں بھی ذرا باک نہ ہوا۔ جب اللہ تعالیٰ کے رسولوں کے ساتھ ان کا یہ رویہ رہا کیا ہے تو ان رسولوں کے پیروؤں اور عام انسانوں کے ساتھ وہ جو کچھ کریں تھوڑا ہے۔

قوم یہود کی اللہ تعالیٰ سے دشمنی اس وقت اپنے انتہائی عروج کی پہنچ گئی جب انہوں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آخری رسولؐ کو ان کی نسل بنی اسرائیل کے بجائے بنی اسماعیل میں مبعوث فرما دیا۔ اسی کے نتیجے میں انہوں نے حضرت جبریل امینؑ سے بھی دشمنی کا رویہ اختیار کر لیا جو بنی اسرائیل کے بجائے بنی اسماعیل میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلیم پر وحی لے کر آیا کرتے تھے۔ ان کے خیال کے مطابق کم از کم حضرت جبریل امینؑ کو بنی اسرائیل کا خیال رکھنا چاہیے تھا گو کہ حکم خداوندی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے حق میں کیوں نہ صادر فرما دیا گیا تھا۔ یعنی جس طرح قوم یہود

اللہ تعالیٰ کی باغی تھی اسی طرح حضرت جبریلؑ بھی اللہ کے باغی ہوتے اور یہود کی حمایت کا دم بھرتے تاکہ نبوت کا سلسلہ بنی اسرائیل سے منتقل نہ ہوتا۔ یا پھر وہ اس لئے بھی حضرت جبریلؑ کے دشمن ہوگئے کہ وہ اسی اللہ تعالیٰ کے فرستادے تھے جس اللہ تعالیٰ سے انہوں نے دشمنی کر رکھی تھی۔ ظاہر ہے کہ اللہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ان تمام متعلقین سے بھی دشمنی روا رکھنا ان کے اصول میں شامل ہوگیا۔ لہٰذا انہوں نے اللہ اور اس کے فرشتوں کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے ان بندوں سے بھی دائمی دشمنی کا معاملہ قائم کرلیا جو اپنے آپ کو متبع رسول مقبول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت سے جانے اور مانے جاتے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

اسی طرح یہود نے اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کے رسولوں، تمام مسلمانوں اور بذات خود اسلام کی دشمنی میں نظام حق کو نقصان پہنچانے، اسے بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے، دین حق کی جگہ اپنے ساختہ پرداختہ مذہب کو رواج دینے اور مسلمانوں کو ان کے منصب اور ان کے نصب العین سے ہٹا کر اپنے وضع کردہ مذاہب کا متبع بنانے کے علاوہ ساری دنیا پر اپنی من مانی حکومت کرنے، انہیں اپنا محکوم اور غلام بنا لینے کی ہر ممکن کوششوں کو اپنی زندگی کا نصب العین قرار دے لیا جس پر وہ ہنوز قائم ہیں۔ ان اسباب و محرکات نے انھیں اپنے نئے مذاہب کی بنا ڈالنے کی تحریک دی۔

یہود نے نظام حق سے سرکشی اور بغاوت ہی نہیں کی بلکہ اس کے ساتھ ہی شیطان ابلیس کے ساتھ جو اسلام اور اولاد آدم کا ازلی و ابدی دشمن ہے، دائمی تحالف قائم رکھا ہے۔ وہ اس کے ہر حکم کی تعمیل کرتے ہیں اور اس کے اشتراک و تعاون سے ہمیشہ نئے نئے مذاہب کی داغ بیل ڈالتے رہتے ہیں اور ان مذاہب کو پروان چڑھانے کے لئے شیطانی طریقے ہی استعمال کرتے رہتے ہیں، حتی کہ یہ بزعم خود اپنے خالق و مالک، آقا و مربی اور رازق و منعم اللہ کو بھی بحیثیت خدا نیچا دکھانے سے نہیں چوکتے۔ ان ہی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ وہ حضرت یعقوبؑ کو اللہ تعالیٰ سے کشتی لڑوا کر حضرت یعقوبؑ کو غالب اور اللہ کو مغلوب کر کے دکھاتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک!

جمہوریت

یہود نے بہت ہی غور و خوض اور صدیوں کی جان فشانی کے بعد بالآخر بزعم خود ایک جامع مذہب ''جمہوریت'' کی داغ بیل ڈال دی۔ اس کے عقائد اور اعمال کے تمام تانے بانے بن دیئے، اسے مختلف مراحل سے گزار کر اس کے زیر و بم اور نوکِ پلک کو درست کرنے کی پوری پوری کوششیں کر ڈالیں اور اس کی تعریف کے وہ سحر آگیں گن گائے کہ آج دنیا کے تمام طبقے خواہ وہ کسی بھی مذہب و مسلک سے متعلق ہوں، کسی بھی خطۂ ارضی سے وابستہ ہوں اور کسی بھی قبیلے و معاشرے سے منسلک ہوں، اسے نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر اس کی ضرورت کے قائل ہوگئے، اسے سر آنکھوں پر بیٹھا لیا اور اپنی اپنی بساط بھر دل کھول کر اس کے گن گانے کا لامتناہی سلسلہ شروع کر دیا اور صرف سیاسی شعبدہ بازوں ہی نے نہیں بلکہ ہر طرح کے علم و ادب کے ماہرین، مفکرین اور مجتہدین نے بھی صرف اسے ہی انسانیت کا معراج و کمال قرار دینا شروع کر دیا۔ حتی کہ دنیا کے تمام مذاہب کے رہنماؤں نے بھی صرف اسے ہی انسانیت کے لئے نجات دہندہ عقیدہ و طریقہ کی حیثیت دے دی اور اس کے حق میں فتویٰ صادر کرنا اپنا مذہبی فریضہ قرار دے لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آج ساری دنیا میں جمہوریت کا بول بالا ہوگیا اور ہر چہار اطراف اسی کا ڈنکا بجنے لگا۔ چنانچہ ہر جگہ جمہوریت کی کارفرمائی ہوگئی اور اسی کی فرماں روائی غالب آ گئی، نہ صرف ایوان پارلیمنٹ تک یہ غالب ہوگئی بلکہ دیکھتے دیکھتے سیاسی، معاشی، معاشرتی، تعلیمی، دینی، اخلاقی، رفاہی، غرض کہ ہر طرح کے اداروں، تنظیموں اور جماعتوں کو جمہوریت کے رنگ میں پوری طرح رنگ دیا گیا۔ ہر جگہ جمہوری اصول و طریقے بروئے کار لائے جانے لگے۔ ہر شخص کو ہر معاملے میں جمہوری حقوق حاصل ہوگئے جن حقوق کی حصولیابی اور بازیابی کی کوششیں ہر شخص کی زندگی کا نصب العین قرار پا گیا۔ جمہوریت اور جمہوری اقدار کی پاس داری اور حمایت اور اس کی تنصیب و تنفیذ کو کار ثواب سمجھا جانے لگا۔

جمہوریت اور امت مسلمہ

دنیا کی تمام قوموں اور تمام مذاہب کے پیروؤں نے اگر جمہوریت کو دین و دھرم کی حیثیت سے مان لیا اور اس پر عامل ہوگئے تو کچھ تعجب کی بات نہیں ہے، اس لئے کہ انہیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ یہ دین و مذہب ہو یا وہ اصول و طریقہ۔ حیرت تو اس بات پر ہے کہ مسلمانوں نے بھی اپنے اپنے مسلک و جماعت کے اختلافات کے باوجود جمہوریت کے معاملہ میں بالاتفاق دنیا کی دوسری تمام قوموں کے شانہ بشانہ لبیک کہنا شروع کر دیا اور وہ جمہوری شریعت میں

مصروف عمل ہو گئے۔ دین اللہ کی جگہ دین دشمن کو بہتر سمجھنے لگے۔ اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی نعمتوں کے مقابلے میں انسانوں کے وضع کردہ اصول اور طریقے پر مر مٹنے کے لئے تیار ہو گئے۔ نظامِ حق کے بجائے نظام حق کے دشمنوں کی ساختہ پرداختہ جمہوریت کو انسانیت کے لئے نجات دہندہ کی حیثیت دے دی، اسے رفاہِ عامہ اور فلاح خلائق کا واحد ذریعہ گردانے لگے۔ رہا دین اللہ کا معاملہ تو اسے محض ایک ایسے تبرک کی حیثیت دے دی گئی کہ اس کا صرف زبان سے اقرار کرتے رہنا ہی کافی ہے، اس کے بعد دین اللہ کا انسانی زندگی کے سیاسی، معاشی، معاشرتی اور تعلیمی غرض کہ جملہ امور و معاملات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لئے ان امور و معاملات میں دین اللہ سے رجوع کرنے کی مطلق ضرورت باقی نہیں رہتی، گو کہ زبان سے یہ دعویٰ بھی کرتے رہیں کہ نظامِ حق زندگی کے جملہ امور و معاملات اور احتیاجات و مسائل میں رہنمائی کرتا ہے اور اسی رہنمائی کو اللہ تعالیٰ اپنی جانب سے عطا کردہ نعمت قرار دیتا ہے اور دنیا سے لے کر آخرت تک انسانی صلاح و فلاح کی ضمانت کو صرف اسی دین اللہ سے وابستہ کر رکھا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ مسلمانوں نے اوروں کے مقابلے میں ایک قدم اور بھی آگے بڑھا کر اختصاص حاصل کرنے کی کوشش بھی کر ڈالی ہے، وہ اس طرح کہ جمہوریت کے ہر ایک عقیدے، طریقے اور عمل کو کسی نہ کسی طرح قرآن و احادیث سے سند جواز بھی بخشتے رہتے ہیں۔

ایسا بھی نہیں ہے کہ ”جمہوریت“ میں واقعی کچھ ایسی خوبیاں پیدا کر دی گئی ہیں کہ ہر طرح کے لوگ اس کی ان خوبیوں کے قائل ہو گئے ہیں اور اس کی مدح سرائی میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوششوں میں مصروف ہو گئے، بلکہ معاملہ اس کے برخلاف ہے۔ البتہ اس کی ترویج اور تشہیر کے لئے ابلیسی طریقۂ تبلیغ اور حکمت عملی کو بروئے کار لایا گیا، اس کے لئے ہر وہ طریقے اور ذرائع استعمال کئے جاتے رہے ہیں جن کے ذریعہ شیطانوں نے ہمیشہ ہی انسانوں میں سے وافر تعداد کو اپنے دام فریب میں پھانسا کیا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ پوری دنیا پر جمہوریت مسلط ہو گئی ہے۔

جمہوریت ہی کیوں؟

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہود نے جمہوریت ہی کو ہر ایک کے لئے نظامِ زندگی کی حیثیت سے کیوں وضع کیا، اور ساری دنیا پر اسی کی حکمرانی وہ کیوں دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس کی دو خاص وجہیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ ساری دنیا کے تمام لوگوں کو اپنے ماتحت کرنے کے لئے کسی بھی مذہب کو خواہ وہ یہودیت ہی کیوں نہ ہو اختیار کرنے کے نتیجے میں دنیا کی ساری قومیں ان کی جھولی میں نہیں آسکتی تھیں۔ اس لئے کہ ہر کسی قوم کا اپنے مذہب سے خواہ وہ جیسا کچھ بھی ہو ایک قسم کا جذباتی لگاؤ ہوتا ہے جس کے نتیجے میں کسی دوسرے مذہب کے نام پر اس قوم کو اس کے مذہب سے کاٹ کر اپنے میں شامل کرنا امر محال ہوتا۔ اس لئے سب سے پہلی ضرورت یہ تسلیم کی گئی کہ جمہوریت کا امتیازی وصف اس کی لامذہبیت (Secularism) قرار دی جائے۔ چنانچہ اس کی بنیادی خصوصیت لامذہبیت قرار دے دی گئی اور بآسانی دنیا کی قوموں کو سمجھا دیا گیا کہ ہر شخص جو کوئی بھی ہو اور جس کسی بھی مذہب کا ماننے والا ہو اپنے مذہب کو مانتے ہوئے اور انفرادی حیثیت سے اس پر عمل کرتے ہوئے بھی جمہوریت اختیار کر سکتا ہے، جمہوری نظام سے پوری طرح مربوط ہو سکتا ہے اور اپنے جمہوری حقوق سے مستفید بھی ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ ان کے خیال کے مطابق مذہب انسانی زندگی کے صرف پرائیویٹ معاملات ہی سے متعلق ہے، جس کا تعلق سیاست و حکومت، معیشت و معاشرت اور نظاماتِ تعلیمات و انتظامات سے نہیں۔ بلکہ محض عبادت و ریاضت، پوجا پاٹ اور سماجی رسومات اور طور طریقوں تک محدود ہے۔ اور جب اس مشن میں انہیں پوری طرح کامیابی حاصل ہو گئی تو ایک قدم اور آگے بڑھاتے ہوئے دنیا کے تمام مذاہب کو ملا کر ایک مذہب بنا ڈالنے کی کوششیں بھی شروع کر دی گئیں جس کے نتیجے میں بین المذاہب اشتراک و مفاہمت کی تحریک شروع ہو گئی۔ ان کوششوں کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ تمام مذاہب کے پیروؤں کو جمہوری عقائد اور اعمال سے وابستہ کر دیا جائے تا کہ ان پر یہودی عالمی نظام پوری طرح غالب آسکے۔ اس کی ترویج و اشاعت کے لئے طرح طرح کے پروگرام روبہ عمل لائے جا رہے ہیں، سمینار منعقد کئے جا رہے ہیں اور لٹریچر کی اشاعت ہو رہی ہے۔ ان کے اس ہدف کی تکمیل کے لیے تمام مذاہب سے ایجنٹ بھی انہیں بآسانی دستیاب ہو جاتے ہیں، حتی کہ مسلمانوں میں سے بھی جن کے پاس اللہ تعالیٰ کا بخشا ہوا دین حق اپنی کامل صورت میں موجود ہے۔

جمہوری نظام زندگی وضع کرنے کی دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ جمہوریت کی شکل میں ایک ایسے نظام حکومت کے تحت تمام نظاماتِ سیاست، معیشت، معاشرت اور تعلیمات بنا کر پیش کئے جا سکیں جن پر ان کا پوری طرح کنٹرول ہو، کیوں کہ نظام بادشاہت کی صورت میں کسی بادشاہ کی

عسکری حکومت کے تحت یہود کو بسا اوقات زبردست جانی اور مالی نقصانات بھی اٹھانے پڑے ہیں۔ لہذا، انتہائی غور وخوض کے بعد عسکری کے بجائے مالی بنیادوں پر استوار ایک ایسا نظام حکومت وسیاست جمہوریت کے نام سے وضع کرنا ان کی ضرورت تھی جس میں ان کے لئے زیادہ سے زیادہ جانی ومالی تحفظات کی گنجائش باقی رہ سکے۔ اس لئے کہ یہود کو دنیا میں انتہائی قلیل تعداد میں رہتے ہوئے بھی ساری دنیا پر حکومت کرنے کے اپنے منصوبے کو کامیاب بنانا تھا۔

لہٰذا ہم دیکھ رہے ہیں کہ رفتہ رفتہ ساری دنیا کی تقریباً تمام ہی مملکتوں سے عسکری اور ملوکی استعماریت وحکومت کا خاتمہ ہوگیا اور اس کی جگہ مالی فوجوں نے سنبھال لی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تمام ممالک کے سربراہان اور ان کے نائبین اور ذیلی عہدے داروں کے عزل ونصب کی چوٹی ان ہی یہود کے ہاتھوں میں ہے کہ جسے چاہیں اور جب چاہیں عہدۂ صدارت ووزارت پر فائز کردیں اور جسے چاہیں اور جب چاہیں معزول کردیں۔ لہٰذا ہر کوئی ان ہی کے دروازے پر جبہ سائی کرنے پر مجبور ہوگیا ہے۔ ہر ایک طالع آما کو جاہ ومنصب کے حصول کے لئے اور تادیران پر قائم ومتصرف رہنے کے لئے ان کی شرائط کو ماننا اور ان کے حق میں اپنے عہدہ واختیارات کو استعمال میں لانا لازمی ہے۔

سیاسی اور اقتصادی مداخلت ہی سے کسی قوم کے اندر فکری، عقائدی، معاشرتی اور ثقافتی امور ومعاملات میں مداخلت ممکن ہے۔ لہذا یہود نے مالی وسائل کا زیادہ سے زیادہ استعمال کرکے ہر جگہ بلکہ پوری دینا پر اپنی سیاسی بالادستی قائم کرلی۔ ساری دنیا کو نظام جموریت کے ماتحت لاکر اور ان کے نکیل اپنے ہاتھوں میں لے کر اپنی مرضی کے مطابق جمہوری اور جمہوریت زدہ ممالک پر اپنا تسلط قائم کرنے اور برقرار رکھنے کے لئے طریقۂ انتخاب وضع کئے۔ اس انتخاب کے ذریعہ بیک وقت بکثرت حکمراں منتخب کئے جاتے ہیں، جن میں ظاہر ہے کہ آپس میں نااتفاقی لازماً ہوتی ہے اور جس کی بنیاد پر مسابقت کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ یہ مسابقت پیسوں کے بل بوتے پر زیر عمل آتی ہے اور پیسوں کی تھیلیاں لے کر یہ یہود اپنی دکان کھولے بیٹھے ہوتے ہیں۔ مقابلہ آرا فریقین یہود کی شرطوں اور وعدوں پر وہ تھیلیاں استعمال میں لاتے ہیں۔ آج ہر ایک پارلیمنٹ کے ایوانوں اور اسمبلی کی مجلسوں میں اس مقابلہ آرائی کے نظارے اچھی طرح دیکھے جاسکتے ہیں۔

مجلس اقوام متحدہ (UNO)

۱۸۹۷ء میں سوئٹزرلینڈ کے شہر بازل (Basel) میں یہودی دانش وروں کی کانفرنس ہوئی تھی جس میں انیس ابواب پر مشتمل دستاویزات تیار کی گئی تھیں۔ اس کے گیارہویں اور انیسویں دستاویزوں میں عالمی حکومت کا خاکہ پیش کیا گیا تھا، بارہویں باب میں پریس اور دیگر ذرائع ابلاغ کو قابو میں لانے کی بات کہی گئی تھی اور سولہویں باب میں تعلیم کے ذریعے ذہنی تطہیر کا منصوبہ پیش کیا گیا تھا۔

اس کے بعد ہی ان دستاویزات کے مطابق عملی کوششیں شروع ہوگئیں۔ ان ہی کوششوں کا نتیجہ دو عالمی جنگیں ہیں۔ یہ جنگیں برپا ہی اس لیے کی گئی تھیں کہ اس کے نتیجے میں ایک نئے عالمی نظام کا ایک مرکز قائم کیا جاسکے۔ چنانچہ پہلی عالمی جنگ (۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء) کے دوران امریکی صدر ولسن کے سیاسی مشیر کرنل مانڈیل ہاؤس نے اپنے رفقاء کی مدد سے لیگ آف نیشنز (League of Nations) کے خدوخال متعین کئے۔ اس خدوخال کے مطابق ۱۹۱۷ء میں امریکی صدر ولسن نے امریکی قوم کے سامنے لیگ آف نیشنز کی تجویز پیش کی اور باضابطہ طور پر جنوری ۱۹۲۰ء میں معاہد طاقتوں نے اسے قائم کردیا۔

اس طرح لیگ آف نیشنز کے منصوبہ سازوں نے امریکہ کو مزید ہموار کرنے کے لیے امریکی حکومت کے دروبست پر حاوی ہونے کا منصوبہ بھی بنا ڈالا۔ چنانچہ حکومت کے تمام اجزاء ----عملیہ، مقنّنہ اور عدلیہ (Executive, Legislative & Judiciary) کے ساتھ ساتھ ان تمام مراکز پر بھی اپنے اثر ورسوخ قائم کرنے اور باضابطہ طور پر ان میں نفوذ کرنے کی منصوبہ بندی کرلی جن کا کسی نہ کسی طور پر ان کے منصوبے سے تعلق تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے کرنل ایڈورڈ مانڈیل ہاؤس نے خفیہ طور پر اپنے گروپ کے ساتھ امریکہ کے بجائے اپنے پرانے مرکز لندن میں مشاورتی اجلاس منعقد کیا اور فیصلہ کیا کہ امریکہ میں ''امریکی ادارہ برائے عالمی امور'' (American Association for world Affairs) نام کا ادارہ قائم کیا جائے۔ پھر ۱۹۲۱ء میں اسے ترمیم کرکے ''کونسل برائے روابط خارجہ'' (Council of Foreign Relations) کردیا گیا۔ اس کے بعد اس کے ماتحت مختلف ذیلی ادارے بنائے گئے۔ ان میں سے ہر ایک ادارے کے مقاصد متعین کرکے انہیں اپنے ہی ماتحت رکھا گیا۔

مثلاً---تجارتی کونسل (Business Council) ایشین انسٹی ٹیوٹ (Asian Institute) اٹلانٹک کمیٹی (Atlantic Committee) متحدہ عالمی وفاقی (United World Federalist) وطنی کمیشن (Territorial Commission) وغیرہ۔

C.F.R.

کونسل برائے روابط خارجہ (C.F.R.) نے وجود میں آتے ہی خارجہ امور (Foreign Affairs) کے نام سے اپنا ترجمان نکالنا شروع کر دیا۔ اس ادارے کے ارکان نے جو سب کے سب یہودی تھے امریکی حکومت کے ٹیکس مستثنیٰ (Tax Exempted) بڑے بڑے اداروں، میڈیا اور بینکوں کے علاوہ ڈیموکریٹک اور ریپبلکن پارٹیوں اور اثر و نفوذ کے دوسرے مراکز پر قبضہ کر لیا۔ اور پھر ڈیلی کارنیگی، فورڈ فاؤنڈیشن، راک فیلر فاؤنڈیشن اور نیویارک ٹائمز یہاں تک کہ تمام امریکی ٹی وی اسٹیشنوں پر قبضہ جمالیا۔ اس وقت صورت حال یہ ہے کہ جو قوم مہاجر بن کر بے سروسامانی کے عالم میں ۱۷۴۸ء میں امریکہ آئی تھی، برٹش استعماروں کے ہاتھوں ۱۷۷۶ء میں تیرہ ریاستوں کے اشتراک سے اپنی حکومت کا باضابطہ اعلان کیا تھا اور پھر بہت جلد وہ تیرہ ریاستیں پچاس ریاستوں میں منقسم ہوگئیں اور ان کا وفاق بنا تھا، وہ یہود اس طرح اب امریکہ پر پوری طرح حاوی ہو چکے ہیں اور امریکہ کے تمام دروبست پر پوری طرح ان کا کنٹرول ہے۔ حالاں کہ اب بھی ۹۸ فی صد امریکیوں کے مقابلے میں یہود کی آبادی امریکہ میں صرف دو فیصد ہے۔

امریکی صدر روز ویلٹ سے لے کر صدر رونالڈ ریگن تک نو امریکی صدور کے خارجہ امور کے مشیر مسٹر جان میکالے کا کہنا ہے کہ ہمیں جب بھی امریکی حکومت کے لیے کل پرزوں کی ضرورت ہوتی ہے تو ہم سب سے پہلے C.F.R. کے مرکزی دفتر نیو پارک سے رابطہ قائم کرتے ہیں۔ C.F.R. کے غیر معمولی اثر و نفوذ کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۹۵۲ء سے لے کر اب تک امریکہ کی دونوں سیاسی پارٹیوں ڈیموکریٹک (Democratic) اور ریپبلکن (Republican) نے امریکی صدارت کے لیے جتنے لوگوں کو نامزد کیا ہے ان میں سے رونالڈ ریگن کے سوا سبھوں کا تعلق C.F.R. سے تھا۔ اور رونالڈ ریگن کے C.F.R. سے تعلق نہ ہونے کا تدارک بھی اس طرح کر لیا گیا کہ اسے مجبور کیا گیا کہ وہ اپنا نائب جارج بش کو بنائے جو C.F.R. کا ممتاز رکن تھا۔ ریگن کی حکومت جو تین سو تیرہ ارکان پر مشتمل تھی وہ سب کے سب C.F.R. کے ارکان تھے۔ اسی طرح بل کلنٹن نے اپنا عہدہ سنبھالتے ہی C.F.R. کے صدر وارن کرسٹوفر کو اپنی حکومت چلانے کے لیے مطلوبہ اشخاص کے انتخاب کی پوری آزادی دے دی۔ چنانچہ اس کی حکومت کے بیش تر ارکان بھی C.F.R. کے ممبر تھے۔

۱۴/اگست ۱۹۴۱ء کو امریکی صدر روز ویلٹ اور برطانوی وزیر اعظم چرچل نے ایک عالمی نظام اور دائمی قیامِ امن کے معاہدے پر دستخط کئے اور یکم جنوری ۱۹۴۲ء میں چھبیس حلیف ملکوں نے ”مجلس اقوام متحدہ“ (United Nations Organisation) (U.N.O) کے چارٹر پر دستخط کئے اور اس معاہدے کی تصدیق کی۔ پھر جنوری ۱۹۴۳ء میں امریکی وزیر خارجہ کارڈویل ہیل نے اپنی صدارت میں ایک کمیٹی تشکیل دی جس کے تمام ممبر C.F.R. سے تعلق رکھتے تھے۔ اس کمیٹی نے اقوام متحدہ کے قیام کی تجویز کا مکمل خاکہ بنا کر امریکی صدر کو پیش کر دیا جس نے ۱۵/جون ۱۹۴۴ء کو امریکی عوام کے سامنے اس ادارے کے قیام کا اعلان کر دیا۔ پھر ۲۶/جون ۱۹۴۵ء کو سان فرانسسکو میں اقوام متحدہ کے چارٹر کا عمومی اعلان کیا گیا جس پر دنیا کے پچاس ممالک نے دستخط کئے۔ اس اعلامیے میں فوجی کونسل کے قیام اور استعمال کو بھی ان ممالک نے منظور کر لیا۔ اسی طرح دستور ساز کمیٹی میں چوں کہ C.F.R. کے ارکان کی غالب اکثریت تھی اس لیے تمام دفعات بلا کسی پس و پیش کے اکثریت سے منظور کر لیے گئے۔ اس طرح یہودی عالمی حکومت کی بنیاد مستحکم ہوگئی، یہاں تک کہ جون ۱۹۹۲ء میں ملکوں کے اندرونی معاملات میں باقاعدہ مداخلت کو قانونی حیثیت بھی دے دی گئی۔

پوری دنیا پر اقتدار قائم کرنے کے لیے تھوڑے ہی دنوں میں کئی ذیلی ادارے قائم کر دیئے گئے اور ان اداروں کو ساری دنیا میں متحرک کر دیا گیا جو ظاہر ہے کہ تمام نظاماتِ زندگی پر اپنا تسلط قائم کرنے کے مؤثر حربے ہیں۔ ان میں سے چند اہم اداروں کا ذکر کیا جاتا ہے:

I.C.A.O.(International Civil Aviation Organisation)1944
I.B.R.D (International Bank for Reconstruction and Development)1944.
F.A.O.(Food and Agriculture Organisation) 1945.
U.N.I.C.E.F.(United Nations Children's Education Fund) 1946

U.N.E.S.C.O.(United Nations Education,Scientific and Cultural Organisation) 1946.
W.B.(World Bank)1946.
W.M.O.(World Meteorological Organisation)1947
G.A.T.T (General Agreement on Tariffs and Trades) 1947
I.M.O. (The International Maritime Organisation)1948
I.F.C (International Finance Corporation) 1956
I.D.O. (International Development Organisation) 1960
U.N.C.T.A.D.(United Nations Conference on Trade and Development) 1964
U.N.D.P. (United Nations Development Programme) 1965
I.L.O. (International Labour Organisation) 1969
U.N.I.D.O. (United Nations Industrial Development Organisation) 1985
W.T.O.(World Trade Organisation)1995 (GATT کی جگہ)
U.N.G.A. (United Nations General Assembly)
U.N.S.C (United Nations Security Council)
I.C.J. (International court of Justice)
I.M.F.(International Monetary Fund)
W.H.O. (World Health Organisation)
I.R.C. (International Red Cross)
N.P.T. (Nuclear Non- Proliferation Treaty)
I.A.E.A. (International Atomic Energy Agency)
U.N.C.S.T.D.(United Nations Conference on Science and Technology for Development)
U.N.C.E.D. (United Nations Conference on Environment and Development)
U.N.E.P. (United Nations Environment Programme)
N.I.D.O.(United Nations Industrial Development Organisation)
I.C.P.D. (International Conference on Population and Development) etc.

مذکورہ بالا ادارے براہ راست اقوام متحدہ کے ماتحت یہودی عالمی حکمرانی کے لئے کام کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ ساری دنیا پر اپنے اقتدار کے قیام اور استحکام کے لئے مختلف قسم کے این جی اوز (N.G.O.s)(Non Governmental Organisations) کا پوری دنیا میں ایک زبردست ہمہ جہت اور ہمہ گیر جال پھیلایا ہوا ہے۔ مثلاً__

ہیومن رائٹس کمیشن	H.R.C. (Human Rights Commission)
ہیومن رائٹس واچ	H.R.W.(Human Rights Watch)
ایمنسٹی انٹرنیشنل	Amnesty International
ریڈکراس	Red Cross
ریڈکریسنٹ	Red Crescent
ایکشن ایڈ	Action Aid
پاپولیشن کونسل	Population Council
پریزنرز آف وار	P.O.W.(Prisoners of War)
ارلی چائلڈ ہوڈ کیئر اینڈ ڈیولپمنٹ	E.C.C.D. (Early Child hood Care and Development)
ورلڈ فوڈ پروگرام	W.F.P. (World Food Programme)
چائلڈ ریلیف اینڈ یو	C.R.Y.(Child Relief and you)
سیو دی چلڈرن	Save the Children
یونائیٹڈ اسٹیٹس ایجنسی برائے صنعتی ترقی	U.S.A.I.D.(United States Agency for Industrial Development)
ڈپارٹمنٹ فار انٹرنیشنل ڈیولپمنٹ	D.F.I.D. (Deptt for international Development)

وغیرہ این جی اوز کی شاخیں دنیا کے ہر ایک خطے اور علاقے میں پھیلا دی گئی ہیں حتی کہ انسانی معاشروں کی تمام اکائیوں تک پہنچا دی گئی ہیں۔

اس قسم کے تمام ادارے دراصل دو قسم کے کارنامے انجام دیتے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ ساری دنیا

سے ہر قسم کی خبریں یہود اور ان کے مختلف مراکز کو پہنچانے کے بہت بڑے ذرائع ہیں گو کہ ان اداروں کے قیام و عمل کے مقاصد کچھ اور ہی بتائے جاتے ہیں اور اس تعلق سے ان کی کچھ کارکردگیاں بھی دکھائی جاتی ہیں۔ اور دوسرا یہ کہ اقوام متحدہ کی وضع کردہ پالیسیوں کی تبلیغ و اشاعت اور ترویج و تشہیر کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ پھر یہ کہ کسی بھی سماجی، معاشی، رفاہی، اصلاحی، تعلیمی اور مذہبی مقاصد کے تحت وجود میں آنے والے اداروں، جماعتوں، تنظیموں اور فورموں میں ان کے افراد باضابطہ طور پر شامل ہوتے ہیں جو ان اداروں، جماعتوں، تنظیموں اور فورموں کی پالیسیوں، منصوبوں اور کارکردگیوں سے یہودی مراکز کو آگاہ کرتے رہتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ بالواسطہ طور پر اقوام متحدہ کے منشورات کی ترویج و تشہیر اور ان پر عمل آوری کی مثالیں بھی قائم کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً حقوق نسواں، حقوق انسانی، اشتراک و مفاہمت بین المذاہب، انسداد دہشت گردی وغیرہ۔

یہ تمام تر کوششیں دراصل ساری دنیا کو عقائد و اعمال دونوں طرح سے ایک طرف اقوام متحدہ کے زیر اثر لانے کی زبردست کوششیں ہیں اور دوسری طرف ہر قوم بالخصوص مسلمانوں کو ان کے اپنے دین و مذہب اور تمدن و ثقافت سے بے گانہ اور منقطع کر ڈالنے کی مذموم چالوں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو سیاسی، معاشی، تعلیمی اور اخلاقی ہر لحاظ سے نہایت ہی پسماندہ بنا کر رکھ دینے اور بیش از بیش جانی اور مالی تباہی و بربادی کی نذر کر دینے کی منصوبہ بند سازشیں ہیں۔

صدیوں کی محنت و کاوش کے نتیجے میں ترتیب دیئے ہوئے یہود عالمی نظام کی پالیسی اور اس کے منصوبے کے مطابق جب امریکہ نے لیگ آف نیشنز (Leage of Nations) اور مجلس اقوام متحدہ (United Nations Qrganisation) کے راستے پوری دنیا پر اپنا اقتدار قائم کر لیا، تمام ممالک پر اپنی گرفت مضبوط کر لی اور دنیا کی تمام حکومتیں اپنے اختیارات مکمل طور پر کھو دئے اور اقوام متحدہ کے آگے سرنگوں ہو گئے تو جنگ خلیج ۱۹۹۱ء کے بعد امریکہ نے اس عالمی نظام کا کھل کر ”نیو ورلڈ آرڈر“ (نیا عالمی نظام New World Order) کے نام سے اعلان کر دیا، جس کے لئے بعد میں پھر گلوبلائزیشن (Globalisation) کی اصطلاح بھی استعمال کی جانے لگی۔ یہ اعلان اس بات کی علامت تھی کہ اب اس بحیثیت قوم یہودی حکومت اور بحیثیت ملک امریکہ کے اقتدار کو چیلنج کرنے والا یا اس کے مدمقابل کوئی بھی ملک باقی نہ رہا اور نہ ہی کوئی طاقت سدراہ رہ گئی، بلکہ ساری دنیا ہر لحاظ سے مکمل طور پر اس کے قبضہ میں آ گئی اور دنیا کی ساری قوموں کو اپنا غلام و محکوم بنا لینے کا وہ پورا پورا مجاز ہو گیا۔

چوں کہ یہودی عالمی حکومت کا اصل ہدف اسلام کو مٹا ڈالنا، مسلمانوں کو زیر تسلط لے آنا، انہیں محکوم بنا لینا اور مسلمانوں کی نام نہاد حکومتوں کو براہ راست اپنی تحویل میں لے لینا ہے اس لئے یہودی عالمی حکومت امریکہ کی علم برداری میں ممالک کے اندرونی معاملات میں مداخلت کا بڑے پیمانے پر سلسلہ جنگِ خلیج سے شروع کرتی ہے۔

اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے اپریل ۱۹۹۱ء میں قرارداد پاس کر کے عراق کے اندرونی معاملات میں مداخلت کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ اس فیصلے کے مطابق عراق کو تباہ و برباد کرنے کے ساتھ ساتھ غذائی اشیاء کی درآمد اور برآمد پر پابندی عائد کر دی گئی یہاں تک کہ پٹرول کی قیمت پر بھی پہرے بٹھا دیئے۔ اور پھر تمام ملکوں میں اس طرح کی مداخلت کا دروازہ چوپٹ کھول دیا گیا۔ لہذا بوسنیا، ہیتی اور صومالیہ میں یہی کھیل پوری طرح کھیلا گیا اور جزوی طور پر لیبیا، کمبوڈیا، لائبیریا، نائیجریا، سوڈان اور انگولا میں یہی کھیل ہوتا رہا۔ اور کوسووا میں تو مسلمانوں کی نسل کشی کا نیا مذموم ظالمانہ طریقہ ناٹو (North Atlantic Treaty Organisation-N.A.T.O) افواج کی سرپرستی میں اختیار کیا گیا۔ افغانستان میں اس قدر بم برسائے گئے کہ آبادی تو آبادی پہاڑوں تک کی خیریت نہ رہی۔ اور ایک بار پھر عراق کو تہس نہس کر کے رکھ دیا گیا۔ یہاں تک کہ عراقیوں کی جان و مال کی تباہی و بربادی کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ یہ سلسلہ عراق تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ اس کے بعد ایران نشان زد ہو چکا ہے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہر دو چار سالوں کے وقفے وقفے سے ایک ایک کر کے تمام مسلم ممالک کو تباہ و برباد کر دینے کا منصوبہ بنا رکھا گیا ہے۔

موجودہ عالمی نظام جو قوم یہود کی ساختہ پرداختہ ہے، جس کے تمام تانے بانے یہودیوں کی اسلام اور مسلم دشمنی کے ناپاک عزائم اور منصوبے کا نتیجہ ہیں اور عالمی نظام کی وضع کردہ تہذیب و ثقافت جسے مغربی تہذیب و ثقافت کہا جاتا ہے کی سربراہی بحیثیت قوم مکمل طور پر یہود کے ہاتھوں میں ہے، اور بحیثیت ملک امریکہ کے ہاتھوں میں۔ یہود بنیادی طور پر شیطان کے جارحہ کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کا مشن نظام خداوندی، دین حق اور فطرت انسانی کو منہدم کر کے ان کی جگہ شیطانی نظامِ فکر و عقیدہ اور اعمال و اشغال کو جاری اور نافذ کرنا ہے۔ چنانچہ نظامِ حق کی ہر طرح سے اور ہر حال میں مخالفت کرنا اور دین فطرت و انسانیت کے بالکل برعکس

نظامِ زندگی اور تہذیب وثقافت کو جاری اور نافذ کرنے کی کوشش کرنا ان کا نصب العین ہے۔ چنانچہ دین اللہ کی بخشی ہوئی بیشتر حلال اور جائز امور ومعاملات کو اس تہذیب وثقافت نے حرام، ناجائز اور ناحق قرار دے دیا ہے اور دین اللہ کے تمام ممنوعہ، حرام، ناجائز اور ناحق چیزوں کو حلال، جائز اور لازم تسلیم کرلیا ہے اور ساری دنیا پر اسے غالب کرنے کے وہ تمام ذرائع ووسائل استعمال کررہے ہیں جو کچھ بھی ان کے بس میں ہے۔

MNCs

مخصوص تہذیب وثقافت کو سارے عالم میں برپا کرنے کے لئے کثیر الاقوامی ادارہ جات (Multi-National Corporations) کے نام سے ایک زبردست مالی فوج کو میدان میں اتار لایا گیا ہے۔ بین الاقوامی کمپنیوں نے ساری دنیا پر غلبہ حاصل کرلیا ہے۔ ان کے ہاتھوں میں ساری دنیا کی دولت سمٹ کر آگئی ہے اور دنیا کی ساری اقوام کی قسمت ان کے ہاتھوں میں بند ہوگئی ہے۔ ان میں سے تقریباً تمام ہی ادارے یہود ہی کی ملکیت ہیں۔

یہ کثیر الاقوامی ادارہ جات اقوام متحدہ کے ذریعہ حسب ذیل طریقوں سے شیطانی نظام کے قیام واستحکام اور ان کی بالا دستی کی کوششیں کررہے ہیں:

- تہذیب وثقافت کے نام پر بے ہنگمی، بدنمائی، بے غیرتی، بے حیائی، بے وفائی، بداخلاقی، بدکرداری، بدچلنی، بدزبانی، بدنظمی اور تمام مخربِ اخلاق کردار واعمال کا ہر چہار اطراف دار دورہ ہے۔
- فیشن کے نام پر بیوٹی پارلر، مساج سینٹر، کاسمیٹک کلچر، ٹورزم وغیرہ جیسی چیزوں کو مشتہر کرکے اور انہیں ضروریاتِ زندگی قرار دے کر ان کے ذریعہ فحاشی اور عریانیت کی زبردست وبا پھیلا دی گئی ہے۔ پھر ان کی تقویت اور کشش کے لئے فیشن کے نام پر آئے دن عجیب عجیب قسم کے بے ہنگم اور عریاں لباس اور ان کی تراش خراش کا مظاہرہ کیا جاتا ہے اور کاسمیٹک آئٹمز کی نئی نئی قسمیں اختراع کی جاتی ہیں۔
- آزادی نسواں اور حقوق نسواں کا زوردار راگ الاپ کر عورتوں کو بازاروں، کلبوں اور ہر طرح کی مجلسوں اور محفلوں میں لاکر انہیں بے حیائی، بدکرداری اور بے وفائی کے راستے پر ڈال دیا جاتا ہے۔

- اس تہذیب وثقافت کا پرچار کرنے اور اس کو رواج دینے کے لئے جنسی تعلیم، پورنو گرافی، منعِ حمل ادویات، فیشن شو کلچر پروگرام، مقابلۂ حسن، پب کلچر وغیرہ جیسی گندی، مخربِ اخلاق اور فحش چیزیں عام کی جارہی ہیں جن کی بنا پر عریانیت اور بے حیائی، بے لگام اختلاط مرد وزن، جنسی بے راہ روی اور آوارگی پروان چڑھ رہی ہیں اور عفت و عصمت، تہذیب وشائستگی، اخلاق وانسانیت اور شرافت ومدنیت کا گلا گھونٹا جارہا ہے۔
- میک ڈونالڈ، کے ایف سی، پزّا ہٹ، پزّا اِن قسم کے امریکی فاسٹ فوڈ کے علاوہ چینی، جاپانی، میکسیکی، اطالوی وغیرہ کے مختلف قسم کے کھانوں کا مسلم ممالک میں خصوصیت کے ساتھ استعمال ہورہا ہے جن کھانوں میں حرام حلال کی کوئی تمیز نہیں ہوتی۔ اس طرح کے کھانے مخربِ اخلاق کے ساتھ ساتھ مضر صحت بھی ہیں۔
- ان کے علاوہ اس تہذیب وثقافت میں اسپورٹس کے نام سے لہو ولعب کو ایک کامیاب حربے کے طور پر استعمال کیا جارہا ہے۔ اس کے ذریعہ ہر آنے والی نسلوں کے دل و دماغ پر فٹ بال، والی بال، ٹینس، ٹیبل ٹینس، کرکٹ وغیرہ کو اس قدر مسلط کردیا جاتا ہے کہ ان کے سامنے نہ تو دوسرے مسائل ہوتے ہیں اور نہ ہی ان کھیلوں کے علاوہ انہیں کچھ اور سوچنے سمجھنے اور ان پر وقت لگانے کی فرصت ہوتی ہے۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ جب کبھی کوئی کھیل شروع ہوجاتا ہے تو اسکولوں، کالجوں، دفتروں، دکانوں، بسوں، ٹرینوں، بازاروں اور گھروں میں غرض کہ ہر جگہ سبھوں کی زبانوں پر بس کھیل ہی کے چرچے ہوتے ہیں، چلتے پھرتے، سوتے بیٹھتے، کھاتے پیتے ہر حال میں بس اسی پر تبصرے، اسی کے تذکرے، اسی کی گتھیوں میں وہ الجھے اور انہیں سلجھاتے ہوئے ہوتے ہیں۔

اس ''تہذیب وثقافت'' کی ترویج واشاعت کے لئے اور اسے رواج دینے کے لئے سیٹلائٹ اور جدید مواصلاتی ٹکنیک کے تحت ٹیلی ویژن، انٹرنیٹ، موبائل وغیرہ جیسے ذرائع کا استعمال کیا جاتا ہے جو عام لوگوں تک جلد سے جلد پہنچانے کے آسان ذرائع ہیں۔ پھر ادب و ثقافت کے نام پر اخبارات، رسائل اور جرائد میں مخرب اخلاق، عریاں اور فحش تصاویر کی بھرمار

اس تہذیب و ثقافت کو تمام گھروں سے لے کر دفتروں، دکانوں اور کارخانوں تک کو اپنی لپیٹ میں لے چکی ہیں، اس طرح کہ کوئی بھی نظر ان سے بچ کر نہیں رہ سکتی۔ دنیا کی دوسری قوموں کے شانہ بشانہ مسلمان بھی ان میں رچے بسے اور گھلے ملے ہوتے ہیں۔ دوسری قوموں اور مسلمانوں میں کوئی فرق و امتیاز باقی نہیں ہے، بلکہ مسلم ملکوں میں یہ وبائیں بہت سارے دوسرے ملکوں کے مقابلے میں زیادہ تیز رفتاری سے پھیلتی جا رہی ہیں۔

شروع میں جب عام مسلمانوں کا نصب العین خوفِ خدا، آخرت طلبی، شرافت و دیانت اور حق و انصاف کی علم برداری تھی، وہ نظامِ حق کے متبع اور اسلام کے چلتے پھرتے نمونے تھے اور شریعت کو اور اس کی عملی پابندی کو عزیز رکھتے تھے، تو وہ جہاں کہیں بھی گئے اور جس جگہ بھی رہے، وہاں نہ صرف انہوں نے اپنی اخلاقی اور شرعی اثرات لوگوں پر مرتسم کئے بلکہ بیش از بیش لوگ ان کے ہاتھوں اسلام قبول کرتے چلے گئے، اس حقیقت کے باوجود کہ دونوں ہی جانب کے لوگ بالعموم ایک دوسرے کی زبان سے ناواقف ہوتے تھے۔ اور کہاں اب حال یہ ہے کہ یہ مسلمان جہاں کہیں بھی ہوتے ہیں، زندگی کے جملہ امور و معاملات میں خواہ وہ تہذیبی ہو کہ ثقافتی، سیاسی ہو کہ معاشی، خانگی ہو کہ معاشرتی، دوسروں کے شیطانی اثرات قبول کرتے چلے جاتے ہیں اور شریعت اور دین حق کی قطعی پروا نہیں کرتے ہیں اور انہیں بالائے طاق رکھ دیتے ہیں۔

جب مسلمان دینِ حق سے منحرف ہو گئے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ روشن ہدایت و تعلیمات سے چشم پوشی اختیار کر لی، احکام خداوندی کو یکسر بدل ڈالا، دنیا پرستی، عیش پسندی، جھوٹی شان و شوکت اور ظلم و زیادتی کے دل دادہ ہو گئے، مختلف قسم کے آپسی اختلافات میں مبتلا ہو گئے، ایک دوسرے کے خون کو حلال کر لیا، یہود و نصاریٰ اور دوسری قوموں کی نقالی شروع کر دی، انہیں دوست بنانے اور ان کی حمایت کے حصول کے لئے ان کے سامنے گھٹنے ٹیکنے شروع کر دئے اور یہود و نصاریٰ اور دوسری قوموں کی ان تمام خرابیوں اور برائیوں میں مبتلا ہو گئے جن سے انہیں انتہائی سخت تاکید کے ساتھ باز رہنے کو کہا گیا تھا، ایسی صورت میں وہی اسلام دشمن عناصر اور وہ قومیں جنہیں مغضوب اور ضالین کے خطابات سے نوازا گیا تھا، نظام عالم پر بڑی ہی آسانی اور سرعت کے ساتھ قابض اور متصرف ہونے لگیں، یہ تمام اسلام دشمن عناصر تو موقع ہی کی تلاش میں تھے۔ اور پھر وہ قابض و متصرف ہی نہیں ہو گئے بلکہ مغلوب اور محکوم مسلمانوں پر ہر طرح کا ظلم و تشدد روا رکھا، ان کا عرصۂ حیات تنگ کر کے رکھ دیا، اور ان کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کی انتہائی کوششیں کر ڈالیں، ان کی

عزت و آبرو کو خاک میں ملا دیا، انہیں محکومی و غلامی کی ذلت آمیز زنجیروں میں جکڑ دیا اور ذلیل و خوار بنا کر رکھ چھوڑنے کے لئے طرح طرح کے ہتھکنڈے آزمانے لگے، حتی کہ وہ سب کچھ کرنے لگے جو شیطان، اس کی ذریت اور اس کے شاگرد کر سکتے تھے۔

یہ سب کچھ اس لئے ہوتا رہا ہے کہ لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا اور ایمان کا جھوٹا دعویٰ کرتے رہے تو اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں بھلا دیا اور ان ظالموں اور سفاکوں کو ان پر مسلط کر دیا۔ جب مسلمانوں نے دوسروں کی بندگی و اطاعت شروع کر دی تو اللہ نے بھی انہیں ان ہی کے حوالے کر دیا جن کی بندگی و اطاعت کا وہ دم بھرنے لگے کہ جیسا وہ چاہیں ان کے ساتھ سلوک کریں:

> اور جو بھی مصیبت تجھ پر آتی ہے وہ تیرے اپنے کسب و عمل کی بدولت ہے۔ (النساء: ۷۹)
>
> حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر ظلم نہیں کرتا لوگ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔
> (یونس: ۴۴)

اور ان کی یہ حالت اس وقت تک نہیں بدل سکتی جب تک کہ اس کے بدلنے کے لئے خود کو نہ بدلا جائے:

> بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کے حال کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنے آپ کو نہیں بدل دیتی۔ (الرعد: ۱۱)

چنانچہ موجودہ حالات کو بدلنے کے لئے اپنے آپ کو بدلنا ہی ہوگا۔ اور اس کا ایک ہی حتمی، آفاقی اور ابدی طریقہ ہے جو رب العالمین کا عنایت کردہ ہے۔ صرف اسی طریقے کو حق و صداقت اور صلاح و فلاح کا واحد طریقہ مانتے اور قبول کرتے ہوئے اپنے آپ کو مطلقاً اس کے حوالے کرنا ہوگا۔

☆☆☆

باب—۱۰

پس چہ باید کرد

ایمان

مذکورہ شیطانی نظام عالم جس کے تار پود کا ایک ہلکا سا خاکہ پیش کیا گیا کو توڑنے کے لئے اور خود اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال اور آنے والی نسلوں کو دنیاوی اور اخروی جہنم کی آگ سے بچانے کے لئے اُس امت مسلمہ کو آگے آنے کی ضرورت ہے جو اللہ تعالیٰ پر ویسا ہی ایمان رکھتی ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت فرمائی ہے، اسی طرح کے اسلام کو اپنے سینے سے لگاتی ہو اور حرز جاں بناتی ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے اور ان تمام تقاضوں کو اسی طرح پورا کرتی ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مطالبہ کیا ہے۔

لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر شخص انفرادی حیثیت میں بھی اور اجتماعی طور پر بھی اپنا جائزہ لے کہ آیا اس کا ایمان حقیقی ایمان ہے بھی یا محض کھوکھلے دعوے ہی ہیں اور بس۔ اس کا اسلام قرآن سے مطابقت رکھتا بھی ہے یا نہیں، کہیں ایسا تو نہیں کہ بس نام کا اسلام ہے اور ظاہر و باطن میں کچھ اور ہی ہے۔ کیا بحیثیت مسلم وہ اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی میں مصروف ہے یا غیر اسلامی اعمال و کردار کا نمائندہ ہے۔ کیا اس کی دوڑ دھوپ رضائے الٰہی کے لئے ہے یا محض دنیائے دنی ہی کی خاطر ہو رہی ہے۔ کیا زندگی کے جملہ امور و معاملات میں قرآن کو اور صرف قرآن کو اپنا رہنما اور روشنی، ہدایت کا واحد ذریعہ، علم و فہم کا واحد مرکز و مینارہ تسلیم کیا ہے کہ نہیں۔ آنحضور ﷺ کے اسوہ کو اپنا معیار بنایا ہے کہ نہیں۔ اس طرح جو اپنے ایمان اور اسلام کو قرآن و سنت کے مطابق نہ پائے تو اسے چاہیے کہ اپنے ایسے ایمان و اسلام کو دیواروں پر دے مارے اور نئے سرے سے شرح صدر کے ساتھ اس حقیقی ایمان کا اقرار کرے، حقیقی اسلام کو قبول کرے اور جی جان سے ان تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دے، جس ایمان کا تقاضا قرآن و سنت میں پیش کیا گیا ہے، جس اسلام پر عمل آوری کا حکم دیا گیا ہے، تاکہ رضائے الٰہی نصیب ہو سکے اور دنیا اور آخرت کی کامیابیوں کی کلید ہاتھ آ سکے۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک کس طرح کا ایمان معتبر ہے، جس کا اپنے ہر ایک بندے سے اللہ تعالیٰ تقاضا کرتا ہے، کن عقائد و اعمال کو قبول کرنے اور ان کو کما حقہ پورا کرنے کے بعد ایک شخص مومن کہلانے کا حقدار ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں، برکتوں اور نصرتوں سے مستفیض ہونے کے قابل ہوتا ہے اور دنیا اور آخرت دونوں جہاں میں فلاح و کامرانی کی بشارتیں صادق آتی ہیں، اس تعلق سے یہاں قرآن کریم سے صرف چند اشارے پیش کئے جا رہے ہیں، تاکہ یاد دہانی ہو سکے۔

ایمان کی تصدیق و تکمیل عمل سے

محض زبانی طور پر یہ کہہ دینا کہ ہم ایمان لائے اور اس کے مطابق عمل نہ ہو، اپنے ایمان سے شغف اور اس کی محافظت کا خیال نہ ہو، اس کے تقاضوں سے لاپرواہ ہو، انہیں خاطر میں نہ لاتا ہو، وہ ایمان معتبر نہیں ہے، بلکہ اس طرح ایمان لانے کی ضرورت ہے جیسا کہ اس کا تقاضا ہے:

> اے لوگو جو ایمان لائے ہو! (محض خالی دعویٰ ایمان سے بات نہیں بنتی بلکہ حقیقی معنوں میں) ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر اور اس کی کتاب پر اور اس کتاب پر جو اس سے قبل وہ نازل کر چکا ہے۔ جس نے اللہ اور اس کے ملائکہ اور اس کی کتابوں اور اس سے رسولوں اور روز آخرت سے کفر کیا وہ گمراہی میں بھٹک کر بہت دور نکل گیا۔ (النساء:۱۳۶)
>
> حقیقت میں تو مومن وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائیں پھر وہ کوئی شک نہ کریں اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں، وہی سچے (ایمان والے) لوگ ہیں۔ (الحجرات:۱۵)

ایمان و عمل کے یہ تقاضے صرف ایمان کے دعوے داروں ہی سے نہیں ہیں بلکہ پوری بنی نوع انسانی سے ہے، خواہ وہ کوئی بھی ہو:

> بے شک ایمان لانے والے ہوں، یہودی ہوں، نصاریٰ ہوں یا صابی ہوں، جو کوئی بھی اللہ پر اور یوم آخر پر ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے اور اس کے لئے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے۔ (البقرۃ:۶۲)

طاغوت سے کفر لازمۂ ایمان

ایک طرف جہاں اللہ، اس کے رسولؐ اور اس کی کتاب پر ایمان لانے اور ان کے احکام و ہدایات کی تعمیل کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہیں دوسری طرف طاغوت سے کفر کرنا اور ان سے اجتناب کرنا بھی لازمۂ ایمان قرار دے دیا گیا ہے۔ ایسا ممکن ہی نہیں ہے کہ اللہ پر ایمان اور طاغوت کی بندگی دونوں کا نباہ ایک ساتھ ہوسکے۔ جہاں طاغوت کی اطاعت ہوگی وہاں سے لازماً ایمان نکل جائے گا، اسی طرح جہاں طاغوت کی بندگی ہوگی وہاں ایک اللہ کی عبادت ممکن ہی نہیں ہے:

> جن لوگوں نے طاغوت کی عبادت واطاعت سے اجتناب کیا اور اللہ کی طرف رجوع کرلیا ان کے لئے خوش خبری ہے۔ تو بشارت دے دو میرے بندوں کو۔ (الزمر:۱۷)

> تم نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اس کتاب پر جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور ان کتابوں پر جو تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں، مگر چاہتے یہ ہیں کہ اپنے معاملات کا فیصلہ کرانے کے لئے طاغوت کی طرف رجوع کریں، حالاں کہ انہیں طاغوت سے کفر کرنے کا حکم دیا گیا تھا--- شیطان انہیں بھٹکا کر راہ راست سے بہت دور لے جانا چاہتا ہے۔ (النساء:٦٠)

قرآن کی اہم ترین اصطلاحوں میں سے ایک اصطلاح ''طاغوت'' بھی ہے جس کی معنویت اور حقیقت پر دبیز پردہ پڑا ہوا ہے کیونکہ دبیز پردہ ڈال کر اس کی حقیقت و معنویت کو چھپانے کی مذموم کوشش کی گئی ہے۔ لہٰذا لوگوں کے سامنے اس کی حقیقت اپنی پوری وسعتوں کے ساتھ نہ تو واضح ہے اور نہ ہی انھیں اس کی صحیح حیثیت کا شعور حاصل ہے۔ حالانکہ قرآن نے ایمان باللہ کے لئے کفر بالطاغوت کو لازم قرار دیا ہے۔ کفر بالطاغوت کے بغیر ایمان باللہ ممکن ہی نہیں ہے۔ بلکہ کفر بالطاغوت پہلے ہے، پھر کہیں جا کر ایمان باللہ ہے، جسے ہم سبھی پہلا کلمہ کی حیثیت سے جانتے اور مانتے ہیں **لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ**۔ ایسی اہم اصطلاح کی حقیقت پر پردہ ڈالنا ہے جو ایک نہایت ہی خطرناک سازشوں اور کوششوں کا نتیجہ ہے جو ایک سانحۂ عظیم ہے۔

طاغوت دراصل ہر اس فرد، گروہ، جماعت، ادارہ، تنظیم، معاشرہ، قبیلہ، قوم، حکومت، ریاست، عدالت، طبقۂ علماء و احبار، درویش، پیشوا، دانش ور، رہنما، نظامِ حکومت، نظامِ سیاست، اور نظام معاشرت اور ان کے وضع کردہ اصول و طریق کو کہتے ہیں جو خود بھی اللہ کا باغی ہو، کفر، شرک، فسق، الحاد یا دہریت میں مبتلا ہو اور دوسروں کو بھی اپنی ان ہی راہوں پر چلانا چاہتا ہو یا اپنا ہم نوا بنانا چاہتا ہو یا دوسروں سے اپنی بندگی کرانا چاہتا ہو تا کہ لوگوں پر ان کا غلبہ قائم ہوسکے اور قائم ہوجانے کے بعد اسے باقی رکھا جاسکے، جس کی بنا پر وہ اپنی مفاد پرستی کی تسکین کرسکے۔ چنانچہ ضرورت پڑنے پر یا قادر ہونے کی صورت میں اپنے مفاد کی تکمیل کے لئے ظلم و جور اور قتل و غارت گری کا حربہ بھی استعمال کرنے میں انہیں کوئی تردد اور باک نہیں ہوتا ہے۔ شیطان انسانوں کو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت ہی سے برگشتہ نہیں کرتا بلکہ جہاں تک ممکن ہوتا ہے انھیں ہر طرح کے طاغوت کی عبادت واطاعت میں مبتلا کرنے کی کوششیں بھی کرڈالتا ہے۔

اس طرح ایمان کے لئے شرط لازم دو باتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ مذکورہ ہر قسم کے طاغوت سے کفر و بغاوت کرنا اور دوسری طرف صرف اور صرف ایک اللہ کو ماننا اور اس کی عبادت واطاعت کرنا، یہی ایمان ہے:

> ان کو ایک الٰہ واحد کے سوا کسی کی عبادت واطاعت کا حکم نہیں دیا گیا، وہ جس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں، پاک ہے وہ ان مشرکانہ باتوں سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ (التوبۃ:۳۱)

> ہم نے ہر ایک امت میں ایک رسول بھیج دیا اور اس کے ذریعہ سبھوں کو خبردار کردیا کہ صرف اللہ کی عبادت واطاعت کرو اور طاغوت (کی عبادت واطاعت) سے بچو۔ (النحل:۳۶)

> لوگو! جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے، اس کی پیروی کرو اور اپنے رب کو چھوڑ کر دوسرے سرپرستوں کا اتباع نہ کرو۔ (الاعراف:۳)

طاغوت سے کس طرح کفر و بغاوت اختیار کرنا چاہیے اور صرف ایک اللہ پر ایمان لانا اور اسی کی عبادت واطاعت خالص کرلینا چاہیے، اس کی ایک زریں مثال قرآن نے پیش کیا ہے:

> تم لوگوں کے لئے ابراہیمؑ اور اس کے ساتھیوں میں ایک اچھا نمونہ ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے صاف صاف کہہ دیا تم سے اور تمہارے ان معبودوں (طاغوتوں) سے جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر اطاعت و فرماں برداری کرتے ہو، قطعی بے زار ہیں، ہم نے تم سے کفر کیا اور ہمارے تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے عداوت ہوگئی اور بیر پڑ گیا، جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ۔ (الممتحنۃ:۴)

ایمان بالطاغوت اور ایمان باللہ کے نتائج واثرات بھی ایک دوسرے کے ضد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے اثرات وثمرات سے بھی آگاہی فرمادی ہے:

> اب جو کوئی طاغوت سے کفر کر کے اللہ پر ایمان لے آیا، اس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام

> لیا، جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ (جس کا سہارا لیا ہے) سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔ جو لوگ ایمان لاتے ہیں ان کا حامی و ناصر اللہ ہے اور وہ ان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آتا ہے اور جو لوگ کفر کی راہ اختیار کرتے ہیں، ان کے حامی و مددگار طاغوت ہیں اور وہ انہیں روشنی سے نکال کر تاریکیوں کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں۔ یہ آگ میں جانے والے لوگ ہیں جہاں یہ ہمیشہ رہیں گے۔ (البقرۃ:۲۵۶-۲۵۷)

کفر بالطاغوت اور ایمان باللہ کا لازمی تقاضا ہے کہ اس کا حامل تمام طاغوتوں کی اطاعت اور پیروی سے کلی طور پر مجتنب ہو جائے اور صرف اللہ واحد کے احکام و ہدایات پر عمل آوری کے لئے اپنے آپ کو کلی طور پر وقف کر دے:

> اے ایمان والو! تم پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ جو صاف صاف تمہارے پاس ہدایات آچکی ہیں اگر ان کو پا لینے کے بعد پھر تم نے لغزش کھائی تو خوب جان رکھو کہ اللہ سب پر غالب اور حکیم و دانا ہے۔ (البقرۃ:۲۰۸-۲۰۹)

چنانچہ ایک مومن کی صفت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی زندگی کو صرف ایک اللہ کے احکام کی بجا آوری کے لئے وقف کر دیتا ہے، اسی کے لئے جیتا اور اسی کی خاطر مرتا ہے، زمین میں ساری دوڑ دھوپ کا مرکز و محور صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا حصول ہوتا ہے۔ خود نیکی کرتا ہے اور بدیوں سے دور رہتا ہے اور تمام خلائق کو بھی نیکی کا حکم دیتا اور بدی سے روکتا ہے، ظلم و جبر کا استیصال کرتا ہے اور لوگوں کی گردنیں طاغوتوں کی غلامیوں سے چھڑاتا اور اللہ کی رحمت کے سائے میں پناہ دلاتا ہے، طاغوتوں کی قائم کردہ حد بندیوں کو اکھاڑ پھینکتا ہے۔ اور حدود اللہ کو قائم، رائج اور نافذ کرتا ہے اور ساتھ ہی اس کی حفاظت کی تدبیریں بھی کرتا ہے:

> اللہ کے حضور توبہ کرنے والے، اس کی عبادت و اطاعت کرنے والے، اس کی تعریف کے گن گانے والے، اس کی خاطر زمین میں گردش کرنے والے، اس کے حضور رکوع اور سجدے کرنے والے، نیکی کا حکم دینے والے اور بدی سے روکنے والے اور اللہ کے قائم کردہ حدود کی حفاظت کرنے والے (یہ ہوتے ہیں مومنوں کے اوصاف) ایسے مومنوں کو (اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت اور رضا و خوشنودی کی) بشارت دے دو۔ (التوبۃ:۱۱۲)

یہاں بھی حضرت ابراہیمؑ کی مثال ہمارے لئے کامل نمونہ ہے جنہوں نے اپنی قوم کے طاغوتوں کے سامنے بحث کرتے ہوئے صاف صاف اعلان فرما دیا تھا:

> (حضرت ابراہیمؑ نے) کہا: اے برادران قوم! میں ان سے بیزار ہوں جنہیں تم اللہ کا شریک

> ٹھہراتے ہو۔ میں نے یکسو ہو کر اپنا رخ اس ہستی کی طرف کر لیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ (اس پر) اس کی قوم اس سے جھگڑنے لگی تو اس نے قوم سے کہا: کیا تم لوگ اللہ کے معاملے میں مجھ سے جھگڑتے ہو، حالاں کہ اس نے مجھے راہ راست دکھا دی ہے اور میں تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں سے نہیں ڈرتا، ہاں اگر میرا رب ہی کچھ چاہے تو وہ ضرور ہو سکتا ہے، میرے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ پھر کیا تم ہوش میں نہ آؤ گے؟ اور آخر میں تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں سے کیسے ڈروں جب کہ تم اللہ کے ساتھ ان کو خدائی میں شریک بناتے ہوئے نہیں ڈرتے، جن کے لئے اس نے تم پر کوئی سند نازل نہیں کی ہے؟ ہم دونوں فریقوں میں سے کون زیادہ بے خوفی اور اطمینان کا مستحق ہے؟ بتاؤ اگر تم کچھ علم رکھتے ہو۔ حقیقت میں تو امن ان ہی کے لئے ہے اور راہ راست پر وہی ہیں جو ایمان لائے اور جنہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ آلودہ نہیں کیا۔ (الانعام:۷۸-۸۲)

یہاں یہ وضاحت کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے اس واقعے کے تعلق سے جو سورۂ انعام آیات ۷۶ تا ۷۸ میں مذکور ہے۔ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَباً ج قَالَ هٰذَا رَبِّىْ ج فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ○ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغاً قَالَ هٰذَا رَبِّىْ ج فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِىْ رَبِّىْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ○ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّىْ هٰذَآ اَكْبَرُ ج فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّىْ بَرِىٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ○ (تو جب رات اس پر طاری ہوئی تو اس نے ایک تارہ دیکھا۔ کہا: یہ میرا رب ہے مگر جب وہ ڈوب گیا تو بولا: ڈوب جانے والوں کا تو میں گرویدہ نہیں ہوں۔ پھر جب چاند چمکتا ہوا نظر آیا تو کہا: یہ ہے میرا رب۔ مگر جب وہ بھی ڈوب گیا تو کہا: اگر میرے رب نے میری رہنمائی نہ کی ہوتی تو میں بھی گمراہ لوگوں میں شامل ہو گیا ہوتا۔ پھر جب سورج کو روشن دیکھا تو کہا: یہ ہے میرا رب۔ یہ سب سے بڑا ہے۔ مگر جب وہ بھی ڈوبا تو ابراہیمؑ نے اعلان فرما دیا: اے برادران قوم! میں ان سب سے بیزار ہوں جنہیں تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو۔ یہاں مفسرین نے جو گل کھلائے ہیں، اس نے پورے نظام طاغوت کی کارستانیوں پر پردہ ڈالنے میں بہت ہی نمایاں کارنامہ انجام دیا ہے۔

یہاں تفصیلی بحث کا موقع نہیں ہے۔ البتہ اتنی بات ضرور کہی جا سکتی ہے کہ مفسرین نے ان آیات کی تفسیر میں یہ بات باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ خود ابراہیمؑ شرک کی بھول بھلیوں میں بھٹک رہے تھے۔ تو جب سوال پیدا ہوا کہ آخر وہ نبی ہوتے ہوئے بھی شرک کی بھول بھلیوں میں

کیوں کر بھٹک رہے تھے تو فوراً جواب کے لئے ایک تاویل گھڑ لی گئی کہ یہ سب ان کی نبوت سے قبل کی باتیں ہیں۔ حالاں کہ نہ تو قرآن کے بیان سے اور نہ ہی سیاق وسباق اور سلسلۂ گفتگو سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی درمیان میں پیش کی جانے والی یہ گفتگو ان کی نبوت سے قبل کے واقعہ پر مبنی ہے، بلکہ اس کے برخلاف سلسلۂ گفتگو یہ باور کراتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اپنی قوم کے لوگوں کو شرک سے باز رہنے کی تلقین کرتے ہوئے ان کے ٹھہرائے ہوئے بے حیثیت شریکوں کی حقیقت دلیلوں سے واضح کر رہے ہیں اور جب ان پر ان کے ٹھیرائے ہوئے ان شریکوں کی حقیقت واشگاف انداز میں منکشف ہو جاتی ہے تو ابراہیمؑ دعوت توحید کو فوراً ثبت کر دیتے ہیں۔ اس کے باوجود بھی ان کی قوم کے لوگ ان سے بحث وتکرار کئے جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ نبی ہی کی حیثیت سے وہ پیش فرمارہے تھے اور ان کی قوم کے لوگ بھی ان کو بنی ہی کی حیثیت میں سمجھتے ہوئے ان سے بحث وتکرار کئے جارہے تھے۔ اور آخری فقرہ واضح اور بین ثبوت ہے اس بات کا وہ یہ باتیں بحیثیت بنی ہی فرمارہے تھے کہ: یٰقَوۡمِ اِنِّیۡ بَرِیۡءٌ مِّمَّا تُشۡرِکُوۡنَ ۔ یہ دراصل سخت انداز میں تنبیہ وانذار کا ایک طریقہ ہے کہ اسے اپنے اوپر لے کر کہا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کے اس واقعے کو توحید کی حقانیت اور شرک کے ابطال کے لئے بطور نمونہ پیش فرمایا ہے۔ ماقبل اور مابعد آیات اور خود آیت ۷۸ کا آخری حصہ اس بات کی دلیل ہے، جن میں شرک کے بطلان کی بحثیں پیش کی گئی ہیں اور اللہ کی وحدانیت کا ثبوت فراہم کیا گیا ہے۔ مثلاً قبل کی آیت ۷۴ میں فرمایا گیا۔ وَاِذۡقَالَ اِبۡرٰهِیۡمُ لِاَبِیۡهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصۡنَامًا اٰلِهَةً ، اِنِّیۡۤ اَرٰىکَ وَقَوۡمَکَ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ. (اور ابراہیم کا یہ واقعہ یاد کرو جب کہ اس نے اپنے باپ آزر سے کہا تھا ”کیا تو بتوں کو خدا بناتا ہے؟ میں تو تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں پاتا ہوں۔“) اور پھر بعد کی آیتوں میں صاف صاف ذکر کیا جارہا ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم کے سامنے ستارے، چاند اور سورج جیسے معبودان باطل کی حیثیت واضح کر دی اور ان کی حقیقت کھول کر رکھ دی اور عملاً بھی ان کا باطل ہونا جب ثابت ہو گیا تو حضرت ابراہیمؑ نے ان کے دلائل کی بنیاد پر بھی اپنی قوم سے ان کے برسر باطل ہونے کا اعلان فرما دیا۔ لیکن پھر بھی ان کی قوم ان سے جھگڑتی رہی، حالاں کہ ان مثالوں سے ان لوگوں کا منہ بند ہو جانا چاہیے تھا۔ یہ دراصل طاغوت تھے جو ظلمت کی دعوت دے رہے تھے جس کی ان کے پاس نہ تو کوئی دلیل تھی اور نہ ہی کوئی سند، اس کے باوجود وہ لوگ حضرت ابراہیمؑ سے بحث وتکرار کئے جارہے تھے۔

کفر بالطاغوت اور ایمان باللہ کا لازمی تقاضا ہے کہ طاغوت کے وضع کردہ اصول، قانون، طریقے اور عمل کو بھی بلا کسی رو رعایت کے قطعاً خیر باد کہنا ہوگا جو دراصل شیطانی تحریص، تدلیس اور تلبیس کا نتیجہ ہیں اور اللہ کی بخشی ہوئی رہنمائی اور شریعت مطہرہ کو ان کی جگہ لازماً اختیار کرنا ہوگا، اس طرح کہ اس کے کسی بھی جزو کو نہ تو ترک کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس میں ذرہ برابر بھی کسی طرح کا حذف واضافہ ہی کیا جاسکتا ہے:

> اے ایمان لانے والو! تم پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے، جو صاف صاف ہدایات تمہارے پاس آچکی ہیں، اگر ان کو پالینے کے بعد پھر تم نے لغزش کھائی تو خوب جان رکھو کہ اللہ سب پر غالب اور حکیم و دانا ہے۔ (البقرۃ: ۲۰۸-۲۰۹)

> کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسولؐ کسی معاملہ کا فیصلہ کر دے تو پھر اسے اپنے اس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔ (الاحزاب: ۳۶)

> اے لوگو جو ایمان لائے ہو! شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔ اس کی پیروی کوئی کرے گا تو وہ تو اسے فحش اور بدی ہی کا حکم دے گا۔ (النور: ۲۱)

> اللہ تعالیٰ پر ایمان ویقین رکھنے والوں کے نزدیک اللہ سے بہتر فیصلہ اور حکم فرمانے والا اور کون ہوسکتا ہے۔ (المائدۃ: ۵۰)

حدود اللہ سے تجاوز کی ممانعت

اللہ تعالیٰ نے جملہ انسانی امور ومعاملات کو منضبط کر دیا ہے اور ان کے لئے حدود کا تعین بھی فرما دیا ہے، جن سے تجاوز کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے خواہ ان کا تعلق سیاست، معیشت اور معاشرت سے ہو یا آداب وتہذیب سے:

> یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں، ان سے تم تجاوز نہ کرو۔ اور جو لوگ حدود الٰہی سے تجاوز کریں، وہی ظالم ہیں۔ (البقرۃ: ۲۲۹)

> اور یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں، اور جو کوئی اللہ کی مقرر کردہ حدوں سے تجاوز کرے گا وہ اپنے اوپر خود ظلم کرے گا۔ (الطلاق: ۱)

> اور یہ اللہ کی قائم کردہ حدیں ہیں، اور (ان کی پابندی سے) انکار کرنے والوں کے لئے دردناک سزا ہے۔ (المجادلۃ:۴)

دعوت الی الخیر، امر بالمعروف، نہی عن المنکر

مومنوں پر یہ اہم ذمہ داریاں ہیں کہ وہ نیکیوں کو فروغ دیں اور ان کے پھلنے پھولنے کے مواقع فراہم کریں اور برائیوں کے روکنے کے ساتھ ہی ان کے سدباب کے لئے حالات سازگار بنائیں۔ ایسے ہی لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے فلاح وکامرانی کا وعدہ فرمایا ہے:

> تم میں سے کچھ لوگ ایسے ضرور ہی ہونے چاہئیں جو نیکی کی طرف (لوگوں کو) بلائیں، بھلائیوں کا حکم دیں اور برائیوں سے روکیں، جو لوگ یہ کام کریں گے وہی فلاح پانے والے ہیں۔
> (آل عمران:۱۰۴)

واضح رہے کہ اس آیت کا مطلب جیسا کہ عام لوگ سمجھتے ہیں یہ ہرگز نہیں ہے کہ اگر تمام لوگوں میں سے کچھ لوگ اس کام کی ذمہ داری سنبھال لیں تو باقی سارے لوگ اس سے بری الذمہ ہو جائیں گے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ سارے لوگ اس کام کو کرنے کے لئے آگے نہ بڑھتے ہوں تو نہ بڑھیں، یہ ان سبھوں کا اپنا نقصان کرنا ہے، البتہ جس قدر بھی لوگ اس کام کو انجام دینے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں گو کہ اقل قلیل ہی کیوں نہ ہوں، انہیں ہی اللہ کے بھروسے پر یہ کام سنبھال لینا چاہیے۔ اس بات کی دلیل خود اس آیت کے اخیر میں موجود ہے، جس میں صراحت کردی گئی ہے کہ صرف وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں جو اس میں شریک عمل ہوں۔

جہاد

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے کے لئے جان ومال سے جہاد میں مصروف ہونا لازمی ہے۔ نتیجے کے طور پر اللہ تعالیٰ بھی ایسے مومنوں کے ساتھ ہوتا ہے اور ان کے لئے اخروی انعامات کے ساتھ ساتھ دنیاوی کامیابی کی بھی بشارت دیتا ہے:

> اے لوگو جو ایمان لائے ہو! میں بتاؤں تم کو وہ تجارت جو تمہیں عذاب الیم سے بچادے۔ ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولؐ پر اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے۔

> یہی تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانو۔ اللہ تمہارے گناہ معاف کردے گا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور ابدی قیام کی جنتوں میں بہترین گھر تمہیں عطا فرمائے گا۔ یہ ہے بڑی کامیابی۔ اور وہ دوسری چیز جو تم چاہتے ہو وہ بھی تمہیں دے گا، اللہ کی طرف سے نصرت اور قریب ہی ہونے والی فتح۔ اور اہل ایمان کو اس کی بشارت دے دو۔ (الصف:۱۰-۱۳)

> اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور صالح عمل کریں کہ وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے، ان کے لئے ان کے اس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم فرمادے گا جسے اللہ نے ان کے حق میں پسند کیا ہے اور ان کی حالت خوف کو امن سے بدل دے گا، تو وہ میری عبادت کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں۔ (النور:۵۵-۵۶)

صبر واستقامت

یہ ایمان وعمل ساری زندگی کو محیط ہے۔ چنانچہ اس کے لئے صبر واستقامت ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں پر انتہائی مہربان ہے جو پوری طرح سے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کردے اور پھر اس پر تاحیات ثابت قدم رہے۔ حالات ومعاملات خواہ کیسے بھی ہوں پائے ثبات کو لغزش نہ آئے۔ چنانچہ ایک مومن کی زندگی سراپا صبر وضبط اور استقلال واستقامت کی علامت ہوتی ہے:

> اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔ (آل عمران:۱۰۲)

> یقیناً جن لوگوں نے کہہ دیا کہ اللہ ہی ہمارا رب ہے۔ پھر اس پر استقامت اختیار کی، ان کے لئے نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین وملول ہوں گے۔ ایسے لوگ جنت میں جانے والے ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے اپنے ان اعمال کے بدلے جو وہ دنیا میں کرتے رہے ہیں۔
> (الاحقاف:۱۳-۱۴)

فلاح دنیا وآخرت

اس صبر واستقامت کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی حاصل ہوتی ہے، جن کے

نتیجے میں اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت دونوں جگہ میں اپنی رحمت وفضیلت کا وعدہ فرماتا ہے۔ اس قادر مطلق منعم کے پاس کسی چیز کی کمی بھی نہیں ہے اور اس کے ساتھ ہی وہ فراخ دست بھی ہے:

> جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ تو خرچ ہوجانے والا ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہی باقی رہنے والا ہے۔ اور ہم ضرور صبر سے کام لینے والوں کو ان کے اجران کے بہترین اعمال کے مطابق دیں گے۔ جو کوئی بھی صالح (نیک) عمل کرے گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ ہو وہ مومن، اسے ہم ضرور دنیا میں بھی پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور (آخرت میں بھی) ایسے لوگوں کو ان کے اجران کے بہترین اعمال کے مطابق بخشیں گے۔ (النحل: ۹۶۔۹۷)

> بے شک جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں تو یقیناً ہم نیکوکار لوگوں کا اجر ضائع نہیں کیا کرتے۔ (الکھف: ۳۰)

ہاں یہ ضرور ہے کہ راہِ جہاد میں پریشانیاں بھی آتی ہیں اور تکلیفوں کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے، تو جو بندۂ مومن ان پریشانیوں اور تکلیفوں کو اللہ کی راہ میں برداشت کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی نظروں میں محبوب بھی ہوتا ہے اور اللہ کی تائید ونصرت بھی اسے حاصل ہوتی ہے اور اس کی طرف سے اجرِ عظیم بھی:

> اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم اللہ کی مدد کروگے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم مضبوط جمادے گا۔ (محمد: ۷)

> یقیناً ہم اپنے رسولوں اور ایمان لانے والوں کی مدد اس دنیا میں بھی لازماً کرتے ہیں اور اس روز بھی کریں گے جب گواہ کھڑے ہوں گے۔ (المؤمن: ۵۱)

ظاہر ہے کہ جس شخص یا جماعت کا حامی وناصر اللہ تعالیٰ ہو اس کی کامیابی اور سرخ روئی کا کیا کہنا۔ کون ہے جو اس کے مقابلے میں ٹھہر سکے۔ کون سی طاقت ہے جو اسے نقصان پہنچا سکے۔ چنانچہ ایک مومن کو اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ اور یقین رکھتے ہوئے بلا جھجک اور بے خوف ہوکر اپنے فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہوجانا چاہیے:

> اللہ تمہاری مدد پر ہو تو کوئی طاقت تم پر غالب آنے والی نہیں، اور وہ تمہیں چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کرسکتا ہو۔ تو جو سچے مومن ہیں ان کو اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔
> (آل عمران: ۱۶۰)

☆☆☆

باب — ۱۱

نصرت خداوندی کی شرطیں

آپسی اختلافات سے بچنا

مومنین صالحین کو اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت ضرور حاصل ہوتی ہے لیکن یہ تائید ونصرت خداوندی چند شرطوں کے ساتھ مشروط ہے۔ ان میں سے ایک شرط ہے آپس کے اختلافات اور فرقہ بندیوں سے بچنا۔ ان سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ سبھی مل کر قرآن اور قرآن کے احکام وہدایات کو مضبوط پکڑلیں اور اسی کی رہنمائی میں آپس میں رونما ہونے والے معاملات اور نامساعد حالات کو نمٹانے کی کوشش کریں۔ ورنہ قرآن اور اس کی روشن ہدایت کے حامل ہونے کے باوجود سخت عذاب کے لئے تیار رہیں:

> تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑلو اور تفرقے میں نہ پڑو۔ (آل عمران: ۱۰۳)

> کہیں تم ان لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جو فرقوں میں بٹ گئے اور کھلی کھلی واضح ہدایات پانے کے بعد بھی اختلافات میں مبتلا ہوگئے۔ ایسے ہی لوگوں کے لئے سخت عذاب ہے۔
> (آل عمران: ۱۰۵)

کافروں اور مشرکوں کو اپنا دوست نہ بنانا

ان میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ ان لوگوں کو کبھی بھی اور کسی بھی حال میں دوست نہ بنانا چاہیے اور نہ ان سے دوستانہ روابط رکھنا چاہیے جو مسلمانوں اور اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں۔ اس لئے کہ وہ حق کے منکر ہیں اور حق کے خلاف ریشہ دوانیوں میں شریک ومشغول ہوتے ہیں:

> اے لوگو جو ایمان لائے ہو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ تم ان کے ساتھ دوستی کی طرح ڈالتے ہو، حالاں کہ جو حق تمہارے پاس آیا ہے اس کو ماننے سے وہ انکار کرچکے ہیں۔
> (الممتحنۃ: ۱)

یہ تو اس طبقے کا ذکر ہے جس کے سامنے اسلام پیش ہوا لیکن پھر بھی حق کے منکر ہی رہے اور ایمان کی روشنی سے منور نہ ہو سکے۔ اس کے علاوہ مستقل قومیں مثلاً یہود و نصاریٰ اور دیگر قوموں سے بھی دوستی کا ہاتھ بڑھانے سے سختی سے ممانعت کر دی گئی ہے۔ اس کا بہت بڑا سبب بھی بتا دیا گیا ہے کہ وہ مسلمانوں کی رفاقت قبول نہیں کرتے ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے کہ وہ تمام قومیں آپس میں ایک دوسرے کی رفیق ہوں۔ لہذا ان سے رفاقت کا تعلق رکھنا قطعاً درست نہیں ہے:

> اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یہود و نصاریٰ کو اپنا رفیق نہ بناؤ۔ یہ سبھی آپس ہی میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ اور اگر تم میں سے کوئی ان کو اپنا رفیق بناتا ہے تو اس کا شمار بھی پھر ان ہی میں سے ہے۔ یقیناً اللہ ظالموں کو اپنی رہنمائی سے محروم کر دیتا ہے۔ (المائدۃ:۵۱)

اسی طرح ان منافقین سے بھی راہ و رسم رکھنے کی ممانعت فرما دی گئی ہے جو ظاہر ہے کہ مسلمانوں ہی کے درمیان مسلمان بن کر رہتے سہتے، چلتے پھرتے اور گھلے ملے ہوئے ہوتے ہیں، لیکن اندر سے کفر و نفاق کے علم بردار ہوتے ہیں۔ اس طرح کافرین مجاہرین کے مقابلے میں یہ زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔ اسی لئے ان کے لئے جہنم کا سب سے نچلا طبقہ مقرر کیا ہوا ہے:

> اے لوگو جو ایمان لائے ہو! مومنوں کو چھوڑ کر (منافق) کافروں کو اپنا رفیق نہ بناؤ۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے خلاف صریح حجت دے دو؟ یقین جانو کہ منافق جہنم کے سب سے نیچے طبقے میں جائیں گے اور تم کسی کو ان کا مددگار نہ پاؤ گے۔ (النساء:۱۴۴۔۱۴۵)
>
> اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے باپوں اور بھائیوں کو بھی اپنا رفیق نہ بناؤ اگر وہ ایمان پر کفر کو ترجیح دیں۔ تم میں سے جو ان کو اپنا رفیق بنائیں گے وہی ظالم ہوں گے۔ کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے عزیز و اقارب اور تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور تمہارے وہ کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے اور تمہارے وہ گھر جو تم کو پسند ہیں، تم کو اللہ اور اس کے رسولؐ اور اس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے اور اللہ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہیں کرتا۔
>
> (التوبۃ:۲۳۔۲۴)

اللہ تعالیٰ نے ایمان و عمل کی راہ میں درپیش خطرات سے آگاہ فرما دیا اور صاف صاف ہدایات بخش دیں۔ اس کے باوجود جو لوگ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت سے منہ موڑیں گے یا سرتابی کریں گے وہ دراصل بدترین خلائق میں شمار ہوں گے۔ اس لئے کہ علم حاصل ہو جانے کے بعد بھی اگر کوئی شخص اپنا بھلا نہ چاہتا ہو تو لازماً اس کے لئے سزائیں بھی زیادہ سخت ہونی ہی چاہئیں:

> اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو اور حکم سننے کے بعد اس سے سرتابی نہ کرو۔ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے کہا کہ ہم نے سنا، حالاں کہ وہ نہیں سنتے۔ یقیناً اللہ کے نزدیک بدترین قسم کے جانور وہ بہرے گونگے لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔
>
> (الانفال:۲۰۔۲۲)

اطاعت سے منہ نہ موڑنا

کسی شخص یا گروہ کا اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لانے کا اقرار کرنا اور اطاعت کا دم بھرنا اور پھر اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت سے منہ موڑنا اس بات کی علامت ہے کہ وہ مومن نہیں ہے۔ اس لئے کہ ایک مومن ایسا ہو ہی نہیں سکتا جو کسی بھی معاملے میں اللہ کے حکم و ہدایت سے روگردانی کرے اور رسولؐ کے اسوہ و طریقہ کو نظر انداز کر دے:

> یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ اور رسولؐ پر اور ہم نے اطاعت قبول کی مگر پھر ان میں سے ایک گروہ (اطاعت سے) منہ موڑ جاتا ہے، ایسے لوگ ہرگز مومن نہیں ہیں۔ (النور:۴۷)

اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت سے روگردانی محض ارتداد اور کفر و بغاوت ہی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ کفرانِ نعمت بھی ہے۔ اس لئے کہ جانتے بوجھتے اپنے آپ کو غضب الٰہی کا حق دار بنانے اور عذاب الٰہی کو دعوت دینے سے بڑھ کر اور کیا نقصان کا سبب ہو سکتا ہے، جو کوئی اپنی عزیز زندگی کے لئے پسند کرے:

> یاد رکھو! تمہارے رب نے خبردار کر دیا ہے کہ اگر تم شکر گزار بنو گے تو میں تم کو اور زیادہ نوازوں گا اور اگر کفرانِ نعمت کرو گے تو میری سزا بہت ہی سخت ہے۔ (ابراہیم:۷)

ارتداد کے اسباب و نتائج

دنیائے دنی اور اس سے متعلق چند جھوٹی توقعات اور امیدیں ہیں جو ایمان لانے والوں کو ارتداد کا شکار بناتی ہیں۔ ممکن ہے وہ ناپائیدار اور نامکمل حقیر فائدے دنیا میں سمیٹ لیں لیکن بالآخر بہت جلد موت آنی ہے اور موت کے ساتھ ہی ان تمام دنیاوی لذائذ کام و دہن کا سلسلہ ختم ہو جائے گا جن کے لئے آنے والی ہمیشگی کی زندگی کو برباد کر ڈالا گیا:

> بلاشبہ جو لوگ ہدایت واضح ہوجانے کے بعد اس سے پھر گئے ان کے لئے شیطان نے اس روش کو سہل بنادیا اور جھوٹی توقعات کا سلسلہ ان کے لئے دراز کر رکھا ہے۔ اسی لئے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ دین کو ناپسند کرنے والوں سے کہہ دیا کہ بعض معاملات میں ہم تمہاری مانیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی یہ خفیہ باتیں خوب جانتا ہے۔ پھر اس وقت کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی روحیں قبض کریں گے اور ان کے منہ اور پیٹھوں پر مارتے ہوئے انہیں لے جائیں گے۔ یہ اسی لئے تو ہوگا کہ انہوں نے اس طریقے کی پیروی کی جو اللہ کو ناراض کرنے والا ہے اور اس کی رضا کا راستہ پسند نہ کیا۔ اسی بنا پر اس نے ان کے سب اعمال ضائع کردیئے۔ (محمد: ۲۵۔۲۷)

اس طرح ان کی نمازیں، روزے، زکوٰۃ، حج اور دوسرے نیک کام ضائع ہوگئے اس لئے کہ انہوں نے مسلمان ہوکر بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے نظام حق کے ساتھ اخلاص و وفاداری کا رویہ اختیار نہیں کیا، بلکہ اپنے دنیوی مفادات کے لئے دین اللہ کے دشمنوں کے ساتھ ساز باز کرتے رہے اور اعلائے کلمۃ اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کے مواقع پر اپنی جان و مال اور محنت و صلاحیت کو اللہ کے لئے وقف کرنے کے بجائے اپنی جان و مال، عہدہ و عزت، عیش و آرام اور دنیاوی مفادات کو خطرات سے بچانے اور انہیں تحفظات فراہم کرنے کی کوششوں میں لگے گئے۔

یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ جو کوئی راہ ارتداد اختیار کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا کوئی نقصان کرتا ہے، بلکہ راہ ارتداد اور راہ فرار اختیار کرنا دراصل اس کی اپنی ناکامی اور نامرادی ہے۔ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ وہ جب کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرلیتا ہے تو اس کے اسباب بھی پیدا کرلیتا ہے:

> اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھر جاتا ہے (تو پھر جائے) اللہ اور بہت سے لوگ ایسے پیدا فرمادے گا جو اللہ کو محبوب ہوں گے اور اللہ ان کو محبوب ہوگا، جو مومنوں پر نرم اور کفار پر سخت ہوں گے، جو اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اللہ وسیع ذرائع کا مالک ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔ (المائدۃ: ۵۴)

اب یہ ایمان کا دعویٰ کرنے والوں کا اپنا کام ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کے تقاضے کو پورا کرتے ہیں اور فلاح و کامرانی کے زینے چڑھتے ہیں یا اس سے انحراف کا راستہ اور رویہ اختیار کرکے دنیا اور آخرت دونوں کو تباہ برباد کرکے رکھ دیتے ہیں۔ امت مسلمہ کی خون سے شرابور لمبی تاریخ لوگوں کے سامنے ہے جو کسی کو بھی سبق سکھانے کے لئے کافی سے زیادہ ہے۔ عقل و ہوش کا تقاضا تو یہی ہے کہ ہر شخص اس دنیا اور اس دنیا کی ناپائیدار امیدوں کے مقابلے

میں نظامِ حق کے قیام و استحکام کے لئے اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر اور سود و زیاں سے بے پرواہ ہوکر اپنے آپ کو کلی طور پر وقف کردے اور پھر دیکھے کہ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کیسے آتی ہے:

> اور اس شخص سے زیادہ اچھی بات اور کس کی ہوگی جس نے لوگوں کو اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیا اور کہا کہ میں یقیناً مسلمانوں میں سے ہوں۔ (حم سجدۃ: ۳۳)

☆☆☆

حقیقی مقصد حیات اور اس کے تقاضوں سے
روشناس کرانے والی، حق و باطل کو دوٹوک انداز میں
واضح کرنے والی، صالح فکر و عمل
کی داعی اور اسلام کا جامع تعارف پیش کرنے والی

تفسیر قرآن

توضیح
قرآن کریم

جلد اول

از

محمد افضل احمد

ملنے کا پتہ
اریب پبلیکیشنز
1542، پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی۔ 110002
فون: 23284740/23282550 فیکس:23267510

تصوف اور اس کے اجزائے ترکیبی کی اصلی اور حقیقی صورت حال،
مسلمانوں کے درمیان اس کے نفوذ اور اس کی ارتقائی منزلوں کی نشاندہی
اور اس کے اثرات اور اسلام سے اس کے معاندانہ اور مخالفانہ رویے
اور اس کے نقصانات کا بے لاگ تجزیہ پیش کرتی ہے:

تصوف ایک باطل مذہب

از

محمد افضل احمد

ملنے کا پتہ
اریب پبلیکیشنز
1542، پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی۔ 110002
فون: 23284740/23282550 فیکس:23267510

ایک ایسی کتاب جس میں کلمۂ شہادت اور اس کے ذیل میں اسلام اور کفر کی نشان دہی، شناخت، وضاحت اور اس کلمے کے قبول کر لینے کی صورت میں اس کے تقاضے اور ذمہ داریوں سے بھی اجمالاً آگاہی کر دی گئی ہے، جس کا مطالعہ انتہائی مفید اور معلومات افزا ہے۔

کلمۂ شہادت

از

محمد افضل احمد

ملنے کا پتہ
اریب پبلیکیشنز
1542، پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی۔ 110002
فون: 23284740/23282550 فیکس: 23267510